حق چار یار	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	خلافت راشدہ
جون ۲۰۲۵ء	وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۝	شمارہ نمبر ۳۷

مجلہ پشاور

راہ ھدایت

• دفاع اہل السنۃ والجماعۃ کے دو ناقص عبارات پر اعتراضات کے جوابات	
• مسئلہ تین طلاق پر مدلل و مفصل بحث	• تین دن قربانی غیر مقلدین کی زبانی
• جمع بین الصلاتین کا شرعی تجزیہ	• بولتے حقائق (مماتیوں سے متعلق ایک فتویٰ پر تنقید)
• احادیث کے رد و قبول میں غیر مقلدین کی من مانیاں	

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

جناب طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

ناشر

نوجوانان احناف طلباءِ دیوبند پشاور

03428970409

اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کے افکار و نظریات کا امین

مجلّہ راہ ھدایت پشاور

فہرست مضامین

نوٹ: مجلّہ راہِ ہدایت کے تمام شمارے صرف PDF کی صورت میں دستیاب ہیں!

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی

قربانی کی اہمیت

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی، اس سے مواظبت ثابت ہوئی جس کا مطلب ہے لگاتار کرنا، اسی طرح اس سے وجوب ثابت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہ کرنے پر وعید فرمائی، احادیث میں بہت سی وعیدیں مذکور ہیں، جیسے آپ ؐ کا ارشاد ہے

"جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔"

مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا

"قربانی تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ صحابی نے پوچھا ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا "ایک بال کی عوض ایک نیکی ہے" اون کے متعلق فرمایا "اس کے ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۴ ص ۱۵۸)

قربانی کس پر واجب ہے؟

چند صورتوں میں قربانی کرنا واجب ہے:

1) کسی شخص نے قربانی کی منت مانی ہو تو اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔

2) کسی شخص نے مرنے سے پہلے قربانی کی وصیت کی ہو اور اتنا مال چھوڑا ہو کہ اس کے تہائی مال سے قربانی کی جاسکے تو اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔

3) جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے۔ پس جس شخص کے پاس رہائشی مکان، کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑوں اور روز مرہ استعمال کی دوسری چیزوں کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا نقد روپیہ، مال تجارت یا دیگر سامان ہو، اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔

4) ایک شخص صاحب نصاب نہیں، نہ قربانی اس پر واجب ہے، لیکن اس نے شوق سے قربانی کا جانور خرید لیا تو

قربانی واجب ہے۔

قربانی کا وقت

بقر عید کی دسویں تاریخ سے لیکر بارہویں تک کی شام یعنی آفتاب غروب سے پہلے تک قربانی کا وقت ہے۔ ان دنوں میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے، لیکن پہلا دن افضل ہے پھر گیارہویں تاریخ، پھر بارہویں تاریخ۔

(آپ کے مسائل ج ۴ ص ۱۶۰)

کن جانوروں کی قربانی کرنا ہے

بھیڑ، بکرا دنبہ ایک ہی شخص کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے، گائے، بیل، بھینس، اونٹ، سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے، بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔ بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بیل، بھینس دو سال کی، اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۴ ص ۱۸۲)

روافض (شیعہ) کے ذبیحے کا حکم

اثنا عشری شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، تین چار کے سوا باقی تمام صحابہ کرامؓ کو کافر و مرتد سمجھتے ہیں، اور حضرت علیؓ اور ان کے بعد گیارہ بزرگوں کو معصوم مفترض الطاعۃ اور انبیاء کرام سے فضل سمجھتے ہیں اور یہ تمام عقائد ان کے مذہب کی معتبر اور مستند کتابوں میں موجود ہیں، اور ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسے عقائد رکھتے ہوں وہ مسلمان نہیں۔ نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، نہ انکا جنازہ جائز ہے اور نہ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان عقائد کا قائل نہیں ہوں تو اس مذہب (روافض) سے براءت کا اظہار کرنا لازم ہے جس کے عقائد یہ ہیں۔ اور ان لوگوں کی تکفیر ضروری ہے جو ایسے عقائد رکھتے ہوں۔ جب تک وہ ایسا نہیں کرتا اس کو بھی ان عقائد کا قائل سمجھا جائے اور اس کے انکار کو تقیہ پر محمول کیا جائے گا۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۴ ص ۲۱۰)

پس نہ ان کا ذبح جائز ہے اور نہ اس کے ساتھ قربانی ہو سکتی ہے۔

کیا قربانی ظلم ہیں؟

شارح بخاری وترمذی سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

” قربانی اور ھدی کے مسئلے کو لیکر بعض کوتاہ اندیش اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جانوروں پر ظلم ہے۔ مسلمان ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ کسی کی جان لینے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے؟ سب سے پہلے اس خیال کی تردید کی جاتی ہے ارشاد ہے: اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی تجویز کی ہے تاکہ وہ ان پالتو چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا فرمایے ہیں اللہ کا نام لیں______یعنی قربانی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں۔ لوگوں کا اپنا فائدہ ہے۔ لوگ قربانی کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور قربانی جانوروں پر ظلم اس لیے نہیں کہ جانور اللہ کی ملک ہیں۔ لوگوں کی ملک نہیں ان کو بطور روزی دیئے گئے ہیں۔ اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے، اور اس کی حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ اور قربانی کے زریعے اللہ کی نزدیکی نفس قربانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اللہ کے ذکر کا ذریعہ ہے۔ جیسے صفاو مروہ کے درمیان سعی اور جمرات کے رمی اللہ کے ذکر کے لیے ہے اور اللہ کے ذکر سے اللہ کی نزدیکی حاصل ہونا بدیہی بات ہے۔۔۔اور قربانی کے زریعے اللہ کے نزدیکی حاصل کرنے کا حکم کسی نہ کسی صورت میں ہر شریعت میں رہا ہے۔۔ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا تذکرہ سورۃ مائدہ آیت ۲۷ میں آیا ہے اور اہل کتاب کے مذہب میں قربانی۔ مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ موجودہ تورات میں بھی جگہ جگہ سوختی قربانی کا تذکرہ ہے، اور ہندوں کے یہاں بھی دیوتاؤں کی بلی کا رواج ہے۔ پس یہ اسلام کا کوئی انوکھا حکم نہیں۔“

(تفسیر ہدایت القرآن ج ۵ ص ۷۷۴)

لطیفہ:

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

”ضلع غازی آباد میں ہاپوڑ کے پاس ایک بڑا گاوں "بڑودہ" ہے وہاں کے مندر کا پجاری مسلمانوں

کو چھیڑ تا تھا کہ تم یہ قربانیاں کیوں کرتے ہوں؟ یہ جانوروں پر ظلم ہے۔ کسی کی جان لینے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے اور اسلام میں قربانی ضروری نہیں ۔اسلام کے بنیادی ارکان چار ہیں۔۔۔۔ مسلمان اس کی باتوں سے تنگ تھے۔اس گاؤں کے ایک حافظ محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ جو دارلعلوم دیوبند کے سفیر تھے اور دیوبند میں مقیم تھے۔ایک مرتبہ گاؤں گئے ، لوگوں نے حافظ صاحب سے اس کا تذکرہ کیا۔حافظ صاحب چند مسلمانوں کو لیکر سادھو کے پاس گئے۔اور کہا پنڈت جی: آپ کیا باتیں کہتے ہیں۔ہم سے بھی کہیں تاکہ ہم بھی غور کریں۔اس نے وہی باتیں دہرائیں ۔حافظ صاحب نے جواب دیا۔پنڈت جی اسلام کے بنیادی ارکان چار نہیں پانچ ہیں۔پنڈت جی نے پوچھا پانچواں حکم کیا ہے؟ حافظ صاحب نے کہا جہاد!! جہاد کے حکم سے ہر کافر واقف ہے، بلکہ خائف ہے، اس لیے تسلیم کیا کہ ہاں اسلام میں یہ حکم بھی ہے حافظ صاحب نے کہا: جہاد کی نوبت کبھی کبھی آتی ہے۔ہم ہر سال قربانی کرکے اس کی پریکٹس کرتے ہیں، تاکہ جب جہاد کی نوبت آئے تو ہمارا ہاتھ خوب چلے۔ یہ سنتے ہی اس کو سانپ سونگھ گیا اور پھر اس نے مسلمانوں کو پریشان کرنا بند کر دیا۔

(تفسیر ہدایت القرآن ج ۵ ص ۴۷۹)

مولانا رب نواز صاحب حفظہ اللہ

تین دن قربانی...... غیر مقلدین کی زبانی

حدیث نبوی

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کہ قربانی تین دن ہے والا قول ہی راجح ہے۔“

(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

خلفائے راشدین کا مسلک

شیخ غلام مصطفی ظہیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

”قربانی کے تین دن ہیں جیسا کہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: النحر ثلاثة ایام یعنی قربانی تین دن ہے۔ احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵: وسندہ صحیح“

(ماہنامہ السنۃ جہلم شمارہ نمبر ۲ صفحہ ۳۵)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول راجح ہے کہ قربانی تین دن ہے یعنی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد دو دن۔“

(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

منکرین حدیث نے کہا کہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ قربانی کے قائل نہ تھے۔ عبید اللہ خان عفیف غیر مقلد اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ اول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی نے اپنی زندگی بھر عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کی تھی تو پھر وہ تین دن تک قربانی کے قائل کس لیے تھے ؟“

(فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳ صفحہ ۳۴)

عفیف صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

”محلی ابن حزم میں ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ھریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ۱۲ / ذی الحجہ تک قربانی ذبح کرنے کے جواز کے قائل تھے۔ محلی ج ۷ ص ۳۷۸“

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۳۳)

محلی کتاب حافظ ابن حزم ظاہری کی ہے، انہیں غیر مقلدین اہلحدیث اور غیر مقلد کہتے ہیں۔(نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۲۵۔ علمی مقالات جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ جلد ۵ صفحہ ۱۰۳۔ الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۳۸۔ تحریک آزادی فکر ۳۵۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:الاضحی یومان بعد یوم الاضحی ۔ قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی ہوتی ہے۔ مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ ح ۱۰۷۱ وسندہ صحیح، السنن الکبری للبیہقی ۹ / ۲۹۷“

(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

شیخ غلام مصطفی ظہیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: قربانی دسویں ذوالحجہ کے بعد دو دن ہے۔ مؤطا امام مالک: ؟؟؟ وسندہ صحیح“

(السنۃ شمارہ نمبر ۲ صفحہ ۳۵)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک

غلام مصطفی ظہیر صاحب لکھتے ہیں:

"سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: النحر یومان بعد النحر وافضلها یوم النحر ۔دسویں ذوالحجہ کے بعد قربانی کے دو دن ہیں، دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے۔" احکام القرآن للطحاوی:۲/۲۰۵ وسنده صحیح"

(السنۃ ش:۲، ص:۳۵)

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے۔"

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مسلک

شیخ غلام مصطفی ظہیر لکھتے ہیں:

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الاضحی یو م النحر ویومان بعده۔ قربانی دسویں ذوالحجہ اور اس کے بعد دو دن ہے۔ السنن الکبری للبیهقی :۹/۲۹۷، المحلی لابن حزم:۷/۳۷۷، وسنده صحیح"

(السنۃ ش ۲ ص ۳۵)

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"قربانی کے دونوں کے بارے میں صحابہ کرام کے آثار درج ذیل ہیں:

۱...... عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

۲...... عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

۳...... انس بن مالک رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) {احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۶} اس کی سند صحیح ہے۔

۴...... علی رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند حسن ہے"

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۵)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"ابن حزم نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ......سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قربانی تین دن ہے۔(المحلی ج ۷ ص ۳۷۷ مسئلہ: ۹۸۲) اس روایت کی سند حسن ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (مطبوع) میں یہ روایت نہیں ملی واللہ اعلم"

(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

جمہور صحابہ کرام کا مسلک

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے، اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم"

(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

علی زئی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"جمہور صحابہ کرام یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔"

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۰)

"پہلی دلیل تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کے آثار ہیں اور یہ میرے دعویٰ کے بالکل مطابق ہیں۔"

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

تنبیہ: جمہور صحابہ کے الفاظ سے شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اگرچہ صحابہ کرام کی اکثریت تین

دن قربانی کی قائل تھی مگر بعض چار دن کے قائل بھی تھے.....اس لیے درج ذیل عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں۔
علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی سے بھی باسند صحیح یاحسن لذاتہ یہ ثابت نہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں۔''

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۰)

تابعین کا مسلک

شیخ غلام مصطفی ظہیر لکھتے ہیں:

''سلیمان بن موسی الاشدق تابعی نے کہا کہ قربانی کے تین دن ہیں تو امام مکحول تابعی کہنے لگے انہوں نے سچ کہا ہے۔السنن الکبری للبیہقی :۲۹۷/۹،وسندہ حسن''

(السنۃ ش ۲ ص ۳۵)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قربانی کے تین دن ہیں۔

(فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۶)

امام صاحب تابعی ہیں۔حافظ ظہور احمد الحسینی دام ظلہ نے اس حوالہ سے ایک مستقل کتاب ''امام ابو حنیفہ کی تابعیت''لکھی ہے۔اور بندہ نے اپنی کتاب ''غیر مقلدین کا امام ابو حنیفہؒ کو خراجِ تحسین''میں امام صاحب کی تابعیت پر بہت سے غیر مقلد مصنفین کے حوالے نقل کر دیئے ہیں۔کسی دَور میں بندہ نے ایک مضمون بعنوان ''امام ابو حنیفہ کی تابعیت، غیروں کی نظر میں''لکھا تھا،جو ماہنامہ پیغام حق فیصل آباد شمارہ نمبر ۳ میں شائع ہوا تھا۔

ائمہ کرام کا مسلک

مولانا اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عید کے بعد دو دن، امام مالک، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ کا مسلک ہے۔''

(فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۶)

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

''درج ذیل علمائے اہلِ حدیث (محدثین) سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں:

۵۔ امام مالک رحمہ اللہ......۶: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ......۷۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ"

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۸)

فریق مخالف کے شبہات کا ازالہ

شبہ نمبر ۱:

مسند احمد میں حدیث ہے کہ ایام تشریق سارے ذبح کے دن ہیں۔...... اور ایام تشریق کا آخری دن تیرھویں ذوالحجہ ہے۔

جواب:

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"خلاصۃ التحقیق: ایام تشریق میں ذبح والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے"

(توضیح الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

علی زئی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"مسند احمد...... والی روایت واقع منقطع ہے"

(ایضاً صفحہ ۱۷۷)

شیخ غلام مصطفی ظہیر لکھتے ہیں:

"یادرہے کہ مسند احمد وغیرہ میں موجود حدیث: کل ایام التشریق ذبح۔ ایام تشریق (۱۳،۱۲،۱۱ ذوالحجہ) سارے کے سارے قربانی کے دن ہیں" انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے"

(السنۃ ش ۲ ص ۳۵)

مولانا محمد بشیر سہوانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حدیث جبیر بن مطعم...... جس میں یہ زیادت ہے وفی کل ایام تشریق ذبح۔ جمہور محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ زیادت غیر محفوظ ہے، اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے

اگر کسی طریق کو ترجیح دی جائے تو اضطراب رفع ہو جاتا ہے، لیکن انقطاع باقی رہتا ہے، کیونکہ کوئی طریق راجح انقطاع سے خالی نہیں ہے اور اگر کسی طریق کو ترجیح نہ دی جائے تو اضطراب ثابت رہتا ہے، اگر کوئی شبہ کرے کہ حافظ نے تخریج ہدایہ میں لکھا ہے: واخرجہ الدار قطنی من وجھین آخرین موصولین فیھما ضعف۔ انتھیٰ۔ پس دونوں طریق کی وجہ سے اس حدیث کی تقویت ہو جائے گی تو جواب یہ ہے کہ یہ طرُق کوئی جدید نہیں بلکہ طرق موجبہِ اضطراب میں جو سبب ضعف ہیں داخل ہیں۔"

(فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۸)

مولانا اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"بعض کم فہم اور متعصب حضرات سارا زور جبیر بن مطعم کی حدیث اور اس پر جرح میں صرف کر دیتے ہیں حالانکہ جبیر بن مطعم کی حدیث استدلال کی بنیاد نہیں بلکہ مؤید ہے"

(فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۱)

شبہ نمبر ۲:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ چار دن قربانی کے قائل ہیں۔

جواب:

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات کس کتاب میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ مذکور ہے؟ حوالہ پیش کریں۔"

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۱)

علی زئی صاحب نے دوسرے مقام پر لکھا:

"میری طرف سے ش ش (شریف شاکر غیر مقلد، ناقل) اور ان کے ساتھیوں سے مطالبہ ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی ایک صحابی سے صحیح و حسن سند کے ساتھ قربانی کے چار دنوں والا قول ثابت کر دیں۔"

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۸)

شبہ نمبر ۳:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قول چار دن قربانی کا مروی ہے۔

جواب:

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"یہ دوسرا قول بے سند ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے۔"

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

شبہ نمبر ۴:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی چار دن قربانی کے قائل تھے۔

جواب:

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"یہ بے سند قول......ہے۔"

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

شبہ نمبر ۵:

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ ذوالحجہ کی آخری تاریخ تک قربانی کرنے کے قائل تھے۔

جواب:

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"رہی سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو عام اہلحدیث علماء کا اس کے مطابق نہ فتویٰ ہے اور نہ ہی عمل۔"

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۶)

"نیز یہ اثر جمہور صحابہ کے خلاف ہے"

(علمی مقالات جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

شبہ نمبر ۶:

امام شافعی رحمہ اللہ چار دن قربانی کے قائل ہیں۔

جواب:

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابلے میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علمائے کے اقوال مرجوح وناقابلِ استدلال ہیں"

(علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

خوشخبری

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاءاللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی شمارہ کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے مسئلہ تقلید پر اپنے گران قدر مضامین ہمیں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے، تقلید کا اجماع امت سے، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے، تقلید پر اعتراضات کے جوابات، ترک تقلید کے نقصانات، مشہور محدثین کا فقہی مذہب، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا۔ وغیرہ

مضامین ان پیج، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ کی صورت میں نیچے دیئے گئے نمبر پر ارسال کر سکتے ہیں:

https://wa.me/03428970409

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

مذہب حنفی کی بنیاد تواتر عملی پر ہے

ہمارے مذہب کی بنیاد تواتر عملی پر ہے لہٰذا اِس کے کسی روایت کی سند تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔
غیر مقلدین کو یہ سبق پڑھایا گیا ہے کہ اپنے مطلب کی حدیث کو صحیح کہو خواہ وہ ضعیف کیوں نہ ہو۔ اور احناف کی پیش کردہ احادیث کو ضعیف کہو اگرچہ وہ صحیح ہو۔ اِس لئے غیر مقلدین کی عادت بن چکی ہے کہ جب کوئی حنفی ان کے سامنے حدیث پیش کرتے ہیں تو یہ لوگ چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ جی یہ حدیث ضعیف ہے اِس میں فلاں فلاں راوی جھوٹے ہیں اِس لئے یہ حدیث حجت نہیں۔

جواب:

دیکھئے! ہمارے حنفیہ حضرات کے مذہب کا دار و مدار تواتر عملی پر ہے۔ یعنی کسی واقعہ، فعل یا قول وغیرہ کو اتنے زیادہ لوگ نقل کریں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہو۔ اور اہل اُصول کے یہاں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ جو حدیث عملی تواتر کے موافق ہو وہ اتنی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہے کہ اس کی سند دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہ سند سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتی ہے۔

جیسے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والمتواتر لا يبحث عن رجاله بل يجب العمل به من غير بحث۔

(نخبۃ الفکر ص ۲۵)

یعنی متواتر کے رجال سے بحث نہیں ہوتی بلکہ بغیر بحث کئے اس پر عمل واجب ہے۔

اِسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:

المتواتر لا يسئل عن احوال رجاله.

یعنی متواتر کے رجال کے احوال سے بحث نہیں کی جاتی۔

اہل اُصول متواترات کی مثال قرآنِ پاک کی پیش کرتے ہیں۔ قرآن پاک تلاوۃً متواتر ہے۔ مسلمان قرآن مجید کی ہر ہر آیت کی سند تلاش نہیں کرتے۔ بلکہ اگر کوئی قرآن مجید کی ہر ہر آیت کی سند کا مطالبہ کریں تو جاہل سمجھا جائیگا کیونکہ متواترات کی سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ہمارا مذہب اور ہمارے مذہب حنفی کے سارے

مستدلات و مسائل عملاً متواتر ہیں۔ فقہ حنفی کے مسائل کی سند کا مطالبہ کرنا اُصول سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ پھر بھی اگر کوئی ضدی وہابی مطالبہ کرتا ہے کہ متواتر فقہ حنفی کے ہر ہر مسئلہ کو سند کے ساتھ پیش کیجئے۔ تو الزاماً ایسے حضرات سے چند متواتر اشیاء کی سند درکار ہیں۔

پہلا سوال

قرآن مجید کی ہر ہر آیت کریمہ کو سند سے ثابت کردیں۔

بصورت دیگر قرآن کے ثبوت کا انکار کریں جیسے کہ متواتر فقہ کا انکار کر چکے ہو۔

دوسرا سوال

قرآن پاک کی آیات اور سورتوں کی ترتیب کو فرداً فرداً سند سے ثابت کرو ورنہ اہل تشیع کی طرح اس متواتر ترتیب کا انکار کردیں جس طرح متواتر فقہ کا انکار کر چکے ہو۔

تیسرا سوال

قرآن و حدیث کے ترجمہ کے لئے لغت کی ضرورت ہے تو اُس متواتر لغت سے قرآن کے ہر ہر لفظ کا معنی واضع لغت تک سند سے ثابت کریں ورنہ لغت اور اس کے معنی کا اُسی طرح برملا انکار کریں جس طرح متواتر فقہ حنفی کا انکار کرنے لگے ہو۔

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ

محمد بن عبدالوہابؒ اور ہمارا موقف

کسی بھی شخص کے بارے میں رائے دو وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے قائم ہوتی ہے:

۱: اس شخص کے عقائد و نظریات اور اعمال و مسائل کی وجہ سے جو خود اس کی تحریر یا تقریر میں ہوں۔

۲: اس شخص کے ان عقائد و نظریات اور اعمال و مسائل کی وجہ سے جو دوسروں کی تحریر یا تقریر میں اس شخص کے بارے میں ہوں۔

اول وجہ درست ہے جبکہ دوسری وجہ غلط ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کے بارے میں دوسروں کی تحریر و تقریر سے کوئی رائے قائم ہو جائے اور پھر اسی شخص کی تحریر و تقریر اس کے خلاف مل جائے تو اپنی رائے بدل دینی چاہیے۔ اس پر دو واقعات بطور دلیل پیش خدمت ہیں۔

واقعہ نمبر 1:

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں آپ کی ملاقات امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تو انہوں نے امام صاحب سے فرمایا: کیا آپ وہی شخص ہیں جنہوں نے میرے نانا کی احادیث کی قیاس کے ذریعے مخالفت کی ہے؟

امام صاحب نے جواب دیا: اللہ کی پناہ کہ میں ایسا کام کروں۔ آپ تشریف رکھیں میں کچھ عرض کرتا ہوں، کیونکہ آپ ہمارے لیے محترم و مکرم ہیں۔ امام باقر تشریف فرما ہوئے تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں آپ سے تین سوالات کرتا ہوں، آپ مجھے ان کا جواب عنایت فرمائیں۔

سوال نمبر 1: مرد زیادہ کمزور ہے یا عورت؟

امام باقر نے جواب دیا: عورت۔

امام صاحب نے فرمایا: میراث میں مرد کو کتنا حصہ ملتا ہے اور عورت کو کتنا؟

جواب دیا: عورت کا حصہ مرد کے حصے کا نصف ہوتا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا: اگر میں قیاس کرکے کہتا تو یوں کہتا کہ مرد کو ایک حصہ ملے گا اور عورت کو دو حصے، کیونکہ

عورت مرد سے کمزور ہے۔

سوال نمبر 2: نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر نے جواب دیا: نماز۔

امام صاحب نے فرمایا: اگر میں قیاس کر کے کہتا تو یوں کہتا کہ حائضہ عورت حیض سے فارغ ہونے کے بعد نماز کی قضا کرے گی، روزے کی قضا نہیں کرے گی۔

سوال نمبر 3: پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟

امام باقر نے جواب دیا: پیشاپ۔

امام صاحب نے فرمایا: اگر میں قیاس کر کے کہتا تو یوں کہتا کہ منی کے خارج ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ پیشاب کے خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ معاذ اللہ میں حدیث کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ حدیث کے مطابق ہی مسئلہ بتاتا ہوں۔

چنانچہ امام باقر کھڑے ہوئے اور امام ابو حنیفہ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔[1]

واقعہ نمبر 2:

جب مولوی احمد رضا خان صاحب نے علماء اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کی عبارات قطع و برید کر کے علمائے حرمین کو پیش کیں تو ان حضرات کی رائے علماء دیوبند کے بارے میں منفی قائم ہو گئی تھی لیکن جب علماء دیوبند کی اپنی تحریر سامنے آئی تو ان حضرات کی رائے تبدیل ہو کر مثبت ہو گئی۔

بس یہی صورت شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہوئی جس کی وضاحت کے لیے علماء اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”میں نے بچپن میں ہی وہابیوں کے متعلق خطرناک باتیں سن رکھی تھی کہ یہ گستاخ رسول اور اولیاء کی ولایت کے منکر ہوتے ہیں۔ جب میں مدرسہ میں داخل ہوا تو میرے اساتذہ کو لوگ وہابی کہتے مگر جو باتیں میں نے وہابیوں کے متعلق سن رکھی تھیں وہ ان میں موجود نہ

---

[1]۔ عقود الجمان صفحہ 264,265 باب سادس عشر

تھیں۔ پھر میرے ایک استاد نے محمد بن عبد الوہاب کی ایک کتاب "کتاب التوحید" کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد میں نے شیخ محمد بن عبد الوہاب، ان کے صاحبزادوں اور تلامذہ کی کتب کا مطالعہ کیا جس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمد بن عبد الوہاب کا مسلک و موقف حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم وغیرہ سے ملتا ہے اور توحید کی دعوت اور شرک کی تردید میں شیخ کا وہی طرز ہے جو تقویۃ الایمان میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مگر شیخ کے مزاج میں کچھ شدت ہے، تحقیق کے بعد مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ہمارے ملک میں قبر پرستوں، تعزیہ پرستوں اور بدعات وخرافات کو اپنا دین بنالینے والوں کی طرف سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف طرح طرح کی افتراء پردازیاں کرکے عام مسلمانوں کو ان سے متنفر کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں (جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے) یہی معاملہ شیخ محمد بن عبد الوھاب نجدی کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ پورے کرہ ارض پر ہونے لگا اور خاص طور سے حجاز پاک شیخ محمد بن عبد الوھاب اور ان کی جماعت کے خلاف اس پروپیگنڈے کا مرکز بن گیا اور وہاں سے اُن کے متعلق ایسی باتیں مشہور ہونے لگیں جن کو سن کر ہر مسلمان نہ صرف یہ کہ ان سے متنفر ہو بلکہ ان کو دنیا بھر کے کافروں سے بدتر قسم کا کافر سمجھے اور چونکہ حج ادا کرنے کے لیے سارے عالَم اسلام کے مسلمانوں کی حرمین شریفین میں حاضری ہوتی تھی، اس لیے ان وہابیوں نجدیوں کے خلاف وہاں جو باتیں عام طور سے مشہور تھیں، کہی اور لکھی جاتی تھیں وہ ان حاجیوں کے ذریعہ سارے عالمِ اسلام میں پہنچتیں اور پھیل جاتی تھیں پھر ہر علاقہ میں موجود ان کے دشمن اس پر حاشیہ آرائی بھی کرتے تھے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنا سخت تھا کہ اس سے بعض علماء بھی متاثر ہوئے اور علماء دیوبند میں سے بھی بعض حضرات نے غلط شہرت کی وجہ سے بعض باتیں لکھ دیں جن میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری بھی شامل تھے لیکن جب حقیقت حال واضح ہوئی تو حضرت نے وہابیوں کے بارے میں اپنی اچھی رائے کا اظہار کیا۔"[2]

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی رائے محمد بن عبد الوہاب کے متعلق غلط شہرت کی بناء پر تھی۔

2۔ ملخص از مقدمہ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علماء حق

جب آپ سن 1344ھ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو شیخ محمد بن عبد الوہاب کے سلسلہ کے مشہور عالم شیخ عبداللہ بن بلیہد سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ تفصیلی احوال سامنے آنے کے بعد نجدی جماعت کے متعلق مولانا سہارنپوری نے جو اپنی رائے کا اظہار کیا وہ حضرت کے ایک مکتوب میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں۔

”قاضی القضاۃ شیخ عبداللہ بن بلیہد جن کا مکان میرے مکان کے قریب ہی ہے، اُن سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے اور دینی مسائل میں گفتگو بھی ہوتی ہے، بڑے عالم ہیں، مذہب اھل السنۃ والجماعۃ رکھتے ہیں، ظاہر حدیث پر جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ہے عمل کرتے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم کی کتابوں کو زیادہ محبوب اور پیش نظر رکھتے ہیں، ہمارے علماء کے نزدیک بھی یہ دونوں بزرگ بڑے مرتبہ کے عالم ہیں۔ بدعات اور محدثات سے نہایت متنفر ہیں، توحید و رسالت کو اپنے ایمان کی جڑ قرار دے رکھا ہے۔ الغرض میں نے جہاں تک خیال کیا اہل السنۃ کے عقائد سے ذرا بھی انحراف نہیں اور اکثر اہل نجد قرآن شریف پڑھے ہوئے ہیں، کثرت سے حفاظ ہیں، صلوٰۃ باجماعت کے نہایت پابند ہیں، آج کل مدینہ منورہ میں سخت سردی کا زمانہ ہے۔ مگر اہل نجد صبح کی نماز میں پابندی کے ساتھ آتے ہیں..... بہرحال اس قوم کی حالتِ دینی نہایت اطمینان بخش دیکھی ہے“[3]

اسی طرح آپ نے ایک اور مکتوب حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کے نواسے حافظ محمد یعقوب گنگوہی علیہ الرحمۃ کے نام لکھا۔ حافظ یعقوب صاحب نے حضرت سہارنپوری کو خط لکھا جس میں ”ابن سعود کی وہابی حکومت“ کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے ایک تفصیلی مکتوب لکھا جس میں یہ بھی ہے:

”میرے خیال میں یہ حکومت اس زمانہ کے اعتبار سے نہایت دیندار واقع ہوئی ہے اور نیک نیتی کے ساتھ کام کر رہی ہے، جس قدر بڑے بڑے کام ہوئے ہیں کوئی بھی میرے نزدیک ایسا نہیں جس میں دین کا پہلو نہ ہو اور بعضے امور صغار جس میں کچھ فروگزاشت ہو رہی ہے جہاں تک میں غور کرتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت کے پاس لائق منتظم دیندار آدمی نہیں، اس وجہ سے بعض انتظامات میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ اپنی ذات سے سلطان ابن سعود نہایت دیندار،

3۔ اکابر کے خطوط صفحہ 11,12

حکیم، متحمل مزاج واقع ہوا ہے مگر ایک آدمی جب تک کہ اس کے ہاتھ پیر نہ ہوں کیا کر سکتا ہے، امن کی حالت تو یہ ہے کہ ایک ایک دو دو اونٹ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور ینبوع اور جدہ کے درمیان آجا رہے ہیں کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی، جہاں تک شکایت کا خیال کیا جارہا ہے اس کا مبنیٰ قبّہ شکنی ہے جس کو جہاّل نے روافض کے ساتھ مل کر اپنا دین وایمان قرار دے رکھا ہے، میرے نزدیک اُن کا انہدام یقیناً واجب ہے اور حکومت نے بھی علماء مدینہ سے استفتاء کر کے جب یہاں کے علماء نے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے اس وقت انہدام کی جرات کی ہے، مولوی صاحب نے جو آپ کو یہ لکھا کہ حکومت سے جو توقعات تھیں ویسی نہ نکلیں، معلوم نہیں کہ ان کے کانوں میں کیا باتیں پہنچائی گئیں؟ میری طرف سے مولوی صاحب کو لکھ دیجیو کہ میرا جو وہاں خیال تھا اور وہ یہاں پہنچ کر اور حالات دیکھ کر میں کچھ زیادہ احسان کی نظر سے حکومت کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا ہوں۔"[4]

ان مکتوبات سے معلوم ہوا کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے المہند میں جو کچھ لکھا تھا اس رائے کی بنیاد غلط شہرت پر تھی، جب خود حقائق دیکھے تو رائے تبدیل ہو گئی۔

احمد رضا خان نے حسام الحرمین میں علماء دیوبند کی عبارات میں قطع وبرید کر کے حرمین کے علماء کے سامنے پیش کیا اور ان کو یہ بتایا کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ چونکہ اس وقت فضاء وہابیوں سے نفرت کی تھی تو انہوں نے فتویٰ دیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے الشہاب الثاقب میں دیوبند اور وہابیوں کے مابین عقائد میں فرق کو تفصیل سے بیان کیا اور چند ایسی باتیں بھی لکھ دیں جو شہرت کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب لوگوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو بنیاد بنا کر سعودی حکومت کی مخالفت کی تو آپ نے اپنا وضاحتی بیان یوں دیا:

"مجھ کو اس امر کے اعلان کرنے میں ذرہ پس وپیش نہیں کہ میری وہ تحقیق جس کو میں بخلاف اہل نجد رجوم المدنیین اور الشہاب الثاقب میں لکھ چکا ہوں اُس کی بنا اُن کی کسی تالیف وتصنیف پر نہ تھی بلکہ محض افواہوں یا ان کے مخالفین کے اقوال پر تھی، اب اُن کی معتبر تالیف بتا رہی ہے کہ ان کا خلاف اہل السنۃ والجماعۃ سے اس قدر نہیں جیسا کہ ان کی نسبت مشہور کیا گیا

4۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علماء حق صفحہ 45,46

ہے، بلکہ چند جزوی امور میں صرف اس درجہ تک ہے کہ جس کی وجہ سے اُن کی تکفیر، یفسیق یا تضلیل نہیں کی جاسکتی۔"[5]

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور ان کا مذہب حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے تھے۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔"[6]

(ہماری وضاحتی عبارت ختم ہوئی۔ محمد الیاس گھمن)[7]

---

[5]۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علماء حق صفحہ 93

[6]۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ 293

[7]۔ یہ مضمون المہند علی المفند پر مولانا الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تقدیم اور حاشیہ سے نقل کی گئی ہے۔ طاہر گل دیوبندی

علامہ مولانا ساجد خان صاحب نقشبندی صاحب حفظہ اللہ

”دفاع اہل السنۃ والجماعۃ“ کی دو ناقص عبارات پر اعتراضات کے جوابات

سیفی حضرات بندہ کی کتاب ”دفاع اہل السنّۃ والجماعۃ“ کی دو عبارات پر اعتراضات کرتے ہیں۔

پہلی عبارت:

”ان مثالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس طرح انسان بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح بات کرتا ہے“

دوسری عبارت:

”تو ظاہراً اللہ تعالیٰ کی بات خلاف واقع ہوئی“

(دفاع اہل السنۃ والجماعۃ، ص327)

اعتراض یہ ہے کہ پہلی عبارت میں اللہ کو بندوں کے ساتھ شریک کر کے معاذ اللہ ”شرک“ کا ارتکاب کیا گیا ہے اور دوسری عبارت میں معاذ اللہ بالفعل اللہ سے صدور کذب کو مانا گیا ہے۔ العیاذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ دونوں اعتراضات کا تفصیلی جواب ملاحظہ ہو۔

نوٹ: سیفیوں کا یہ اعتراض رضاخانیوں سے سرقہ شدہ یعنی ان کا تھوکا ہوا ہے وہ اس طرح کہ 2019ء میں رضا خانی یہی اعتراض اس عنوان سے باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کر چکے ہیں:

”ساجد خان دیوبندی کا کفریہ عقیدہ“

دلچسپ بات یہ کہ نام نہاد محقق مطالعہ سے ایسا عاری ہے کہ اسی صفحے کے پیچھے میں نے یہ بھی لکھا ہوا ہے:

”اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات ایسی ہیں جو انسانی صفات سے ملتی جلتی ہیں اور کچھ صفات ایسی ہیں جو انسانی صفات سے نہیں ملتی۔ مثلاً:“

(دفاع اہل السنہ والجماعہ، جلد اول)

اس پر اس کو کوئی اعتراض نہیں حالانکہ معترض کی سوچ کے مطابق یہ عبارت تو معاذ اللہ تشبیہ میں زیادہ صریح ہے؟ لیکن اعتراض اس لئے نہیں کیونکہ بریلویوں نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

اصول نمبر ا:

ہم عصر کی جرح قابل قبول نہیں خاص کر جب وہ متعصب ہو۔

(ا)۔۔۔ قال تاج الدین ابی النصر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی السبکی المتوفی اے ۷ھ:

عِنْدَنا مَنْ ثَبَتَتْ اِمَامَتُهُ وَعَدَالَتُهُ و كثُر مَادِحُوْهُ و مُزَكُّوهُ و ندُرَ جَارِحُوْهُ وَكَانَتْ هُنَاكَ قرِيْنَة "دَالَة" عَلَى سَبَبِ جَرْحِهٖ مِنْ تَعَصُّبِ مَذْهَبِى اَوْ غَيْرِهٖ فانه لا نَلْتَفِتُ اِلَى الْجَرْحِ فيه و نَعْمَلُ فيه بالعدالةِ

(طبقات الشافعیۃ الکبری، ج 1، ص 248، دار الکتب العلمیہ، بتحقیق مصطفی عبد القادر احمد عطا)

(۲)۔۔۔قال فی فواتح الرحموت:

فائدة: لابُدَّ لِلْمُزَكِّیْ اَنْ یَّکُوْنَ عَدْلاً عَارِفاً بِاَسْبَابِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِیْلِ وَ اَنْ یَّکُوْنَ مُنْصِفاً ناصحاً لااَنْ یَّکُوْنَ مُتَعَصِّباً وَ مُعْجِباً بِنَفْسِہٖ فانہ لا اعتدادَ بقولِ المتعصب۔

(الرفع والتکمیل، ص70،69)

اس اصول کے تحت چونکہ فریق مخالف سخت متعصب ہے اور بندہ کی کتاب کی مدح پاک وہند سے ہے لہذا اس کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس پر مزید حوالے "دروس مناظرہ" میں ملاحظہ ہو۔

اصول نمبر ۲:

جب تک احتمال موجود ہے کسی قسم کا فتوی نہیں لگایا جائے گا۔ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرُوْا اَنَّ الْمَسْأَلَةَ الْمُتَعَلِّقَةَ بِالْكُفْرِ اِذَا كَانَ لَهَا تِسْعٌ' وَّ تِسْعُوْنَ اِحْتِمَالاً لِلْكُفْرِ وَ اِحْتِمال واحد فی نفْیِہ کان الاَوْلٰی للمفتی والقاضی ان یَّعْمَلَ بالاحتمال النافی لان الخطاءَ فی ایقاءِ الفِ کافرٍ اھونُ من الخطاءِ فی افناءِ مسلم واحد

(شرح فقه الاکبر، صفحہ 444،445دار البشائر بیروت)

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ تُوْجِبُ الْکُفْرَ و وجہ واحد یَمْنَعُ فعلی المفتی اَنْ یَّمِیْلَ الی ذالك الوجه كذا فی الخلاصة

(فتاوی عالمگیری، ج2، ص 293، دار الکفر بیروت)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

الْکُفْرُ شَیْءٌ عَظِیمٌ فَلَا أَجْعَلُ الْمُؤْمِنَ کَافِرًا مَتَی وَجَدْتُ رِوَایَةً أَنَّهُ لَا یَکْفُرُ وَفِی الْخُلَاصَةِ وَغَیْرِهَا: إذَا کَانَ فِی الْمَسْأَلَةِ وُجُوهٌ تُوجِبُ التَّکْفِیرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ یَمْنَعُهُ فَعَلَی الْمُفْتِی أَنْ یَمِیلَ إلَی الْوَجْهِ الَّذِی یَمْنَعُ التَّکْفِیرَ تَحْسِینًا لِلظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ زَادَ فِی الْبَزَّازِیَّةِ إلَّا إذَا صَرَّحَ بِإِرَادَةِ مُوجِبِ الْکُفْرِ فَلَا یَنْفَعُهُ التَّأْوِیلُ ح وَفِی التَّتَارْخَانِیَّة: لَا یَکْفُرُ بِالْمُحْتَمَلِ، لِأَنَّ الْکُفْرَ نِهَایَةٌ فِی الْعُقُوبَةِ فَیَسْتَدْعِی نِهَایَةً فِی الْجِنَایَةِ وَمَعَ الِاحْتِمَالِ لَا نِهَایَةَ اهـ وَالَّذِی تَحَرَّرَ أَنَّهُ لَا یُفْتَی بِکُفْرِ مُسْلِمٍ أَمْکَنَ حَمْلُ کَلَامِهِ عَلَی مَحْمَلٍ حَسَنٍ أَوْ کَانَ فِی کُفْرِهِ اخْتِلَافٌ وَلَوْ رِوَایَةً ضَعِیفَةً

(فتاوی شامی، ج4، ص224)

یہی حوالہ بحر الرائق جلد پانچ ص134 پر بھی موجود ہے۔ مزید حوالے دروس مناظرہ میں ملاحظہ ہو۔

اصول نمبر ۳:

عبارت کی توجیہ میں قائل کی بات کو ترجیح دی جائے گی اور اس کی توجیہ و تاویل کو قبول کیا جائے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

”وفی المسئلة المذکورة تصریح بانه یُقْبَلُ مِنْ صَاحِبِهَا التاویلُ“

(شرح فقہ الاکبر، ص445)

در مختار میں ہے:

إذَا کَانَ فِی الْمَسْأَلَةِ وُجُوهٌ تُوجِبُ الْکُفْرَ وَوَاحِدٌ یَمْنَعُهُ فَعَلَی الْمُفْتِی الْمَیْلُ لِمَا یَمْنَعُهُ، ثُمَّ لَوْ نِیَّتُهُ ذَلِكَ فَمُسْلِمٌ وَإِلَّا لَمْ یَنْفَعْهُ حَمْلُ الْمُفْتِی عَلَی خِلَافِهِ

(رد المحتار مع الدر المختار، ج4، ص230)

وفی البزازیة الا اذا صرّحَ بارادةٍ توجب الکفرَ فلا ینفعه التاویلُ حینئذ کذا فی البحر الرائق ثم ان کانت نیةُ القایل الوجهَ الّذی یمنع التکفیر فهو مسلم و ان کانت نیته الوجه الذی یوجب التکفیر لا تنفعه فتوی المفتی۔

(عالمگیری، ج2، ص293)

مزید تفصیل ’’دروس مناظرہ‘‘ میں ملاحظہ ہو۔

اب اگر فریق مخالف میں جرات و غیرت ہے تو ثابت کرے کہ بندہ نے بھی اس عبارت سے وہی شرکیہ کفریہ بدعیہ مفہوم مراد لیا ہے اور بندہ کی نیت بھی وہی ہے جو فریق مخالف نے ان عبارات سے کی ہے۔ بصورت دیگر تکفیر تضلیل مسلم وہ بھی عالم کی جلدی کی بنا پر فریق مخالف فرقہ خوارج ورضاخانیہ میں ہوا۔ فریق مخالف نے چونکہ دیوبندیت کا اپنا ایک ایڈیشن ایجاد کیا ہوا ہے لہذا ہم انہی کی دیوبندیت کے موافق ایک حوالہ نقل کر دیتے ہیں فتاوی حقانیہ میں ہے:

’’قائل نے خود بھی اس کو مقام مدح میں استعمال کیا ہے تو دوسرے احتمالات خود بخود ختم ہو کر اس کی مراد متعین ہو گئی‘‘

(فتاوی حقانیہ، جلد اول، ص170)

یہ فتوی دراصل حضور ﷺ کو معاذ اللہ ’’کمینہ‘‘ کہنے کے متعلق تھا۔ علامہ عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قائل نے خود ایک معنی متعین کر دیا تو دوسرے باطل، کفری، معنی خود بخود باطل ہو گئے۔ پس میری عبارت کے بالفرض کوئی بھی معنی نکلتا ہو جب میں اپنا ایک معنی متعین کر دوں گا تو دوسرے معنی خود بخود باطل ہو جائیں گے۔

عبارت کی وضاحت

بندہ کی مکمل عبارت سیاق وسباق کے ساتھ یوں ہے جو صفحہ 325 سے شروع ہو کر ص327 پر ختم ہوتی ہے:

’’اللہ تعالیٰ کی صفت کلام:

معتزلہ اور اہل سنت کا اللہ تعالیٰ کی باقی صفات کے علاوہ صفت کلام میں بھی شدید اختلاف ہوا، جس سے ’’قرآن‘‘ مخلوق ہے کا مسئلہ کھڑا ہوا، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو جیل میں جانا پڑا اور کوڑے کھانے پڑے۔

چنانچہ شرح عقائد میں مذکور ہے:

والمعتزلة لما لم يمكنهم انكار كونه تعالىٰ متكلماً ذهبوا الى انه متكلم بمعنى ايجاد الاصوات والحروف فى محالها، او ايجاد اشكال الكتابة

فی اللوح المحفوظ وان لم یقرء علیٰ اختلاف بینھم وانت خبیر بان المتحرک من قامت بہ الحرکتہ لامن ---اوجد ھا والا لیصح اتصاف الباری باالاعراض المخلوقۃ لہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ عن ذلک علوا کبیرا.

(شرح العقائد نسفی:248/ الناشر سعید کمپنی کراچی)

[ترجمہ] اور معتزلہ کے لیے جب اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا انکار ممکن نہ ہو سکا تو وہ اس بات کی طرف گئے کہ اللہ تعالیٰ حروف و اصوات کو ان کے اپنے اپنے محل میں موجود کرنے یا اشکال کتابت کو لوح محفوظ میں موجود کرنے کے معنیٰ میں متکلم ہے اگر چہ اسے پڑھا نہیں گیا، یہ مسئلہ ان کے درمیان مختلف فیہ ہے، اور آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گا کہ متحرک وہ ہے--- جس کے ساتھ حرکت قائم ہو، نہ کہ وہ شخص جو حرکت کا موجد ہو، ورنہ باری تعالیٰ کا ان اعراض کے ساتھ بھی متصف ہونا لازم آئے گا جو اس کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند و بالا تر ہے۔

مختصر خلاصہ تشریح:

متکلم یعنی بات کرنے والا، معتزلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حروف اور آواز کو ان کے اپنے اپنے ٹھکانوں میں مثلاً طور یا شجرۂ موسیٰ میں موجود کر دیں جیسے:

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنۡ يّٰمُوۡسٰٓى اِنِّىۡۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ (القصص:۳۰)

[ترجمہ] درخت میں سے (آواز دیئے گئے) کہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا۔

یا کلام کے حروف ان کے محل مثلاً لسان جبرئیل یا لسان نبی میں موجود کر دیئے۔

معتزلہ کی یہ تاویل یا تشریح قاعدہ لغت کے خلاف ہے، اسی طرح متکلم وہی ہو گا، جو صفت کلام سے متصف ہو نہ کہ وہ جو دوسروں میں ایجاد کرے، اس کو متکلم نہیں کہتے، پس مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بھی متکلم یعنی بات کرنے والا مگر اپنی شان کے لائق اور انسان بھی متکلم۔

مثال---[۱]

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ۔ (العلق:۱)

[ترجمہ] پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

یہ سب سے پہلی وحی ہے، فرشتے نے آکر کہا، پڑھ آپ ﷺ نے فرمایا، میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے بھینچا، اس طرح تین مرتبہ ہوا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ جبرئیل امین نے بھی پڑھا اور حضور ﷺ نے بھی پڑھا، کیا اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق پڑھا، جس طرح معتزلہ کہتے ہیں، کہ جبرئیل میں آواز یا حروف کو موجود یعنی ایجاد یا پیدا کر دیئے، اگر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق پڑھا، تو پھر اللہ تعالیٰ سے کلام کا صادر ہونا یعنی اپنی شان کے لائق بات کرنا ثابت ہوا، اگر ایسا نہیں تو پھر وہی معتزلہ والی بات صحیح ہوئی۔

مثال۔۔۔[۲]

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى۔ (النّٰزعٰت:۲۴)

[ترجمہ] (یعنی فرعون نے کہا) تم سب کا رب میں ہی ہوں۔

فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ اَهۡلِىۡ۔ (ھود:۴۵)

[ترجمہ] کہا (نوح نے) میرا رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے۔

قال یٰنوح انه لیس من اهلك۔ (ھود:۴۶)

[ترجمہ] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح یقیناً وہ تیرے گھر سے نہیں۔

قارئین! پہلی آیت (النزعت:۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے الفاظ دہرائے ہیں یعنی جو بات فرعون نے کی وہی بات اللہ تعالیٰ نے کی، اور دوسری آیت (ھود:۴۵) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی بات کو دہرایا یعنی جس طرح حضرت نوحؑ نے بات کی بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بات کی، ان مثالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جس طرح انسان بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح بات کرتا ہے، تیسری آیت (ھود:۴۶) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کا انکار فرمایا کہ ”یقیناً وہ تیرے گھر سے نہیں ہے“۔

حالانکہ وہ ان کا بیٹا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تیرے گھر سے نہیں ہے، تو ظاہراً اللہ تعالیٰ کی بات خلاف واقع ہوئی، یعنی واقعہ کے مطابق یہ ہے کہ ''اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَھۡلِیۡ'' میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور واقعہ کے خلاف یہ ہے کہ ''اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَھۡلِكَ'' یقیناً وہ تیرے گھر سے نہیں ہے''۔ گو اللہ تعالیٰ نے بد اعمالی یا کفر کی وجہ سے یہ فرمایا کہ وہ تیرے گھر سے نہیں ہے لیکن بات تو واقعہ کے خلاف ہے، یہی مثال شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے فرمائی، کہ ایک انسان اپنے مخاطب یعنی سامنے والے سے واقعہ کے خلاف بات کر سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت کیوں حاصل نہیں کہ وہ فرشتہ یا نبی کے سامنے ایسی بات کر سکے''۔

(دفاع اہل السنۃ والجماعۃ، جلد اول 325 تا 327)

خلاصہ اقتباس:

بات بالکل واضح ہے پہلی ناقص عبارت جسے معترض نے پیش کیا اس سے میری مراد یہ تھی کہ معتزلہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ کے تکلم کا مطلب ''ایجاد کلام'' ہے۔ نہیں بلکہ اللہ کے تکلم کا مطلب ''اتصاف کلام'' ہے یعنی جس طرح انسان بات کرتا ہے ''کلام سے متصف'' ہوتا ہے اسی طرح ''اللہ کلام سے متصف'' ہوتا ہے۔

اس پر قرینہ خود مضمون میں موجود یہ عبارت:

''معتزلہ کی یہ تاویل یا تشریح قاعدہ لغت کے خلاف ہے، اسی طرح متکلم وہی ہوگا، جو صفت کلام سے متصف ہو نہ کہ وہ جو دوسروں میں ایجاد کرے''۔

(دفاع اہل السنۃ والجماعۃ، ص 326، جلد اول)

پھر میں نے اس پر آگے سورہ علق و سورہ ھود کی دو آیات اور اس سے آگے کئی آیات بطور مثال پیش کی۔ البتہ اس کیلئے اسلوب میں نے خالص علمی و اصطلاحی استعمال کرنے کے بجائے بلاغت ہی کے قاعدہ ''اصولی خطابی'' کا استعمال کیا جس میں سامعین کے فہم کے مطابق عرفی امثلہ و واقعات سے متکلم اپنی مراد واضح کرتا ہے اور بطور مثال ''اسلوب خطابیہ'' استعمال کرتے ہوئے کہا کہ: ''جیسے انسان بات کرتا ہے یعنی تکلم سے متصف ہوتا ہے ایسے ہی اللہ''، لیکن مجھے کیا معلوم کہ معترض عام فہم اسلوب سے بھی نابلد و غبی ہے۔ تشبیہ کے اعتراض سے بچنے کیلئے بندہ نے اس معترضہ عبارت سے پہلے ہی حفظ ماتقدم کے طور پر دوبار اس کی وضاحت کی:

”یہاں سوال یہ ہے کہ جبرئیل امین نے بھی پڑھا اور حضور ﷺ نے بھی پڑھا، کیا اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق پڑھا، جس طرح معتزلہ کہتے ہیں، کہ جبرئیل میں آواز یا حروف کو موجود یعنی ایجاد یا پیدا کر دیئے، اگر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان کے لائق پڑھا، تو پھر اللہ تعالیٰ سے کلام کا صادر ہونا یعنی اپنی شان کے لائق بات کرنا ثابت ہوا“

(دفاع اہل السنۃ والجماعۃ، جلد اول، ص326)

یعنی اللہ کا وہ بات کرنا یعنی تکلم کرنا اپنی شان وقدرت کے مطابق ہے۔ای کمایلیقه بشانه-۔اب اپنی شان کے مطابق کا مطلب کیا ہے؟ تو مولانا سجاد حجابی صاحب جسے فریق مخالف نے حالیہ دنوں میں بندہ کے ساتھ اس بحث کو ختم کرنے کیلئے اپنا ثالث نامزد کیا تھا فرماتے ہیں:

”کمایلیقه بشانه عبارت کا مطلب: اہل سنت اس عبارت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ صفات متشابہات اللہ تعالی کیلئے ثابت ہیں لیکن ان کے معنی کو کوئی نہیں جانتا اور ساتھ ساتھ مخلوق کی مشابہت سے تنزیہ بھی کرتے ہیں“۔

(محاضرات قدیم، ص86)

یعنی مخلوق کی مشابہت سے تنزیہ۔ تو آخر معترض نے اس کے باوجود یہاں تشبیہ کیوں مراد لی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ معترض نے سیاق وسباق سے کلام کو پڑھا ہی نہیں اس نے تو حسد جہل بغض میں رضاخانیوں کی مکھی پر مکھی ماری ہے۔ بالفرض عبارت سے مراد تشبیہ ہی ہو تو اب اللہ کے متعلق تشبیہ سے کیا مراد ہو گا محدث کبیر حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”تیسرا قاعدہ: اللہ تعالی کی صفات کے بیان میں تشبیہات دو شرطوں کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہیں: پہلی شرط تشبیہ کے اصل لغوی معنی مراد نہ لئے جائیں بلکہ وہ معنی مراد لئے جائیں جو عرف میں ان صفات کے مناسب ہوں“۔

(رحمۃ اللہ الواسعۃ، جلد اول، ص637)

تو جیسے انسان بات کرتا ہے ایسے ہی اللہ اگر تشبیہ بھی ہو تو لغوی تشبیہ مراد نہیں بلکہ عرفی یعنی اللہ کے بات کرنے کا مطلب اللہ کا تکلم سے اتصاف جو حدوث وعوارض سے پاک ہے۔

اس پر مزید بھی حوالے دئے جاسکتے ہیں مگر وقت کی قلت اور صفحات کی تنگی۔

اب کچھ عبارات ملاحظہ ہو:

دار العلوم دیوبند کی ویب سائٹ پر ایک فتوے میں ہے:

”اللہ تعالی جسم و اعضاء سے منزہ ہے یعنی اس کی آنکھ ناک کان ہمارے آنکھ ناک کان کی طرح نہیں ہیں“۔

(فتوی نمبر 751-146 /1436-U /D=7 جواب نمبر 59216)

اب جرأت کرے کیا معترض معاذ اللہ یہاں یہ مطلب لے گا کہ اللہ کے کان ناک ہیں؟

محدث کبیر شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اللہ کی صفات دو طرح کی ہیں ایک وہ صفات جن کی مخلوق سے مشابہت نہیں جیسے اللہ ایک ہیں اس کی مخلوق سے کیا مشابہت؟ اللہ بے نیاز ہیں اس کی مخلوق سے کیا مشابہت؟ دوسری وہ صفات ہیں جو مخلوق سے مشابہت رکھتی ہیں جیسے اللہ سنتے ہیں تو ہم بھی سنتے ہیں اللہ دیکھتے ہیں تو ہم بھی دیکھتے ہیں اللہ کا ہاتھ ہے تو ہمارا بھی ہاتھ ہے اللہ کا چہرہ ہے تو ہمارا بھی چہرہ ہے اللہ کی پنڈلی ہے تو ہماری بھی پنڈلی ہے اللہ رات کی آخری حصہ میں سمائے دنیا پر اترتے ہیں تو ہم بھی اوپر کی منزل سے نیچے اترتے ہیں پس جو صفات مخلوق کے مشابہ نہیں ہیں وہ زیر بحث نہیں آئیں اور جو صفات مخلوق کی صفات کی طرح ہیں“

(علمی خطبات، ص۱۱۷)

لیجئے جناب مخلوق کی صفات کی طرح۔۔۔ چہرہ، پنڈلی، اترنا۔۔ کیا فتوی ہے؟

رہی دوسری عبارت تو وہاں صاف صریح طور پر ”ظاہرا“ کی قید ہے:

”تیسری آیت (ھود:۴۶) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کا انکار فرمایا کہ ”یقیناً وہ تیرے گھر سے نہیں ہے“ حالانکہ وہ ان کا بیٹا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تیرے گھر سے نہیں ہے، تو **ظاہراً** اللہ تعالیٰ کی بات خلاف واقع ہوئی،“

یعنی ”**ظاہراً**“ بات خلاف واقعہ معلوم ہو رہی ہے حقیقتاً نہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کلام دو طرح کا ہوتا ہے ایک

’’مطلق‘‘ دوسرا ’’مقید‘‘ کلام کو مقید کرنے کی پھر کئی صورتیں ہیں مفاعیل خمسہ، شرط، حال، تمیز وغیرہ بندہ کی عبارت میں بھی ’’ظاہراً‘‘ تمیز ہے۔ اور اہل علم یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر کلام مقید میں قید کا لحاظ نہ کیا جائے تو بعض اوقات کلام کا معنی ہی باطل ہو جاتا ہے جیسے وماخلقنا السموت والارض ..لاتقربوا الصلوۃ...یہ باتیں ہمارے ہاں طلبا کو درجہ ثالثہ رابعہ میں سکھادی جاتی ہیں اب معترض نے بھی دجل وفریب کرتے ہوئے بندہ کے کلام میں قید ’’ظاہراً‘‘ کو ملحوظ نہیں رکھا اور کلام کو معاذ اللہ واقعہ کے مطلق کر دیا کہ معاذ اللہ حقیقۃً اللہ کا کلام خلاف واقعہ ہو گیا۔ حالانکہ میں اسی کتاب میں اللہ کے کلام کو جھوٹا کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ نقل کر چکا ہوں تو خود ایسی بات کیوں کروں گا؟ اس موقع پر امام رازیؒ کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

’’قال شیخنا و مولانا خاتمة المحققین والمجتهدین رضی الله عنه قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقها قرات علیهم آیات کثیرة من کتاب الله تعالی فی بعض المسائل و کانت مذاهبهم بخلاف تلک الآیات فلم یقبلوا تلک الآیات و لم یلتفتوا الیها و بقو ینظرون الی کالمتعجب یعنی کیف یمکن العمل بظواهرهذه الآیات مع ان الروایة عن سلفنا ورتد علی خلافها‘‘

(تفسیر کبیر، جز،۱۶، ص۳۱)

ہمارے شیخ اور سردار محققین و مجتہدین کے خاتم اللہ ان سے راضی ہو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے فقہا کے بعض مقلدین کو دیکھا ان کے سامنے اللہ تعالی کی کتاب میں سے کئی آیات بعض مسائل میں پڑھی جبکہ ان کے مذاہب ان آیات کے خلاف تھے انہوں نے ان آیات کو قبول نہیں کیا نہ ہی ان کی طرف توجہ دی بلکہ حیرت زدہ ہو کر میری طرف دیکھتے رہے یعنی وہ اس بات پر تعجب کر رہے تھے کہ ان آیات کے ظواہر پر عمل کیسے ممکن ہو جبکہ ہمارے سلف میں ان کے روایت منقول ہے۔

اب اگر یہاں ظاہر کی قید کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو کیا صریح قرآن کی مخالفت نہیں؟ نیز ہمارے ہاں قرآن کی آیات میں بظاہر اور احادیث میں بظاہر تعارض کی علمی مباحث کا پھر کیا محمل ہو گا؟ فی الحال اس پر اکتفا کر رہا ہوں۔

اصول نمبر ۴:

بالفرض مان بھی لیں کہ معاذ اللہ عبارات سے یہی کچھ مستفاد ہو رہا ہے تو یہ لازم مذہب ہے اور قاعدہ مصرحہ ہے کہ لازم المذهب ليس بمذهب۔ پس جب لازم مذہب مذہب ہی نہیں تو جو چیز ان عبارات سے لازم آرہی ہے بقول فریق مخالف کفر شرک تشبیہ وغیرہ وہ ہرگز ہمارا مذہب یا عقیدہ نہیں کہ لازم مذہب مذہب نہیں۔

یہ بات علامہ نبہانی مرحوم نے شواہد الحق، ص177، علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے الیواقیت والجواہر، ص 144، 126، پر، شامی ج3، ص46، الفواکه الدوانی، ج2، ص328، پر ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح ج1، ص180، باب الایمان بالقدر پر، فتح الباری، ج12، ص337 پر، ابن حجر ہیتمی نے فتاوی حدیثیہ، ص108، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی ج20، ص217 پر، البحر المحیط فی اصول الفقہ للزرکشی، ج6، ص127، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے قصیدہ نونیہ پر بھی نقل کیا ہے۔

اصول نمبر ۵:

پیر صاحب مبارک مفتی گوہر علی شاہ صاحب نے ابو عبیدہ کے حوالے سے مناظرہ کشف و کرامت میں کہا تھا کہ بعض اوقات آدمی کا ایک نظریہ نہیں ہوتا لیکن اس پر مناظرہ کرتا ہے تشحیذ الاذہان کیلئے اشارہ علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کے قول کی طرف تھا جسے کتاب کے محقق نے کتاب میں یوں نقل کیا:

و تعقبه السبكى فقال قلت وليس ذالک بلازم فقدتناظر المرعلى مالايراه اشارة للفائدة وابرازا لهاوتعليماللجدل ۔

(الطهور، ص ۳۵، مکتبۃ الصحابہ جدہ شریف)

تو ہماری یہ ساری گفتگو بھی محض جدل کیلئے تھی نہ کہ اپنے نظریہ کیلئے۔

اصول نمبر6:

پیر صاحب مبارک مناظرہ کشف کرامت میں کہتے ہیں کہ جب کسی آدمی کے قول میں تعارض آجائے تو:

"والمقلد ياخذبالتصنيف الآخير"

تو آج کی تاریخ میں یہ تحریر میری تصنیف آخر ہے اس میں جو مطلب وعقیدہ میں نے بیان کیا اسی کو لیا جائے گا

بالفرض دفاع اہل السنۃ کی کسی عبارت سے تعارض ہو تو اسے کالعدم تصور کیا جائے گا۔

الزامی ایرادات

نمبر1: پیر مفتی گوہر علی شاہ صاحب فعل بکسر الفا کو حادث مانتے ہیں اور پھر مناظرہ کرامات میں بار بار اسی طرح اللہ کی طرف نسبت بھی کر رہے تھے تو کیا پیر صاحب کرامی ہوئے؟ یاد رہے کہ یہ صرف الزام ہے پیر صاحب پر ہمارا فتویٰ ہرگز نہیں۔

نمبر2: دس جلدوں پر کفریہ شرکیہ عقائد علمائے دیوبند کی تکفیر پر لکھی گئی کتاب کی اگر تائید محض اس وجہ سے کی جاسکتی ہے کہ اس میں ایک بات میرے خلاف لکھی گئی ہے تو میری مکمل کتاب جو علمائے دیوبند کی تائید میں ہے اس کی مخالفت کس اصول پر حالانکہ میری کتاب میں تو صرف ایک عبارت ہے جبکہ فریق مخالف کی کتاب کی جلد دوم میں علم غیب حاضر ناظر جیسے کفریہ عقائد ہیں؟

نمبر3: فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

> ”حضور ﷺ کی تواضع کو سراہتے ہوئے اگر کوئی پشتو زبان میں آپ کو ”کمینہ“ کی طرف نسبت کرے تو ازروئے شریعت اس کا کیا حکم ہے“
>
> الجواب: پشتو زبان کے محاورے کے مطابق کمینہ کا لفظ متواضع اور منکسر المزاج شخص کیلئے استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس کا قائل گناہ گار نہیں“۔

(فتاویٰ حقانیہ، جلد اول، ص170)

اس پر بہت سے ایرادات قائم کئے جاسکتے ہیں لیکن ہم باطل کو کوئی ہتھیار فراہم نہیں کرنا چاہتے بس اتنی گذارش ہے کہ یہ اعتراض اہل بدعت نے کیا ہے لہٰذا ہم فریق مخالف کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر قائل کی مراد توجیہ کا اعتبار نہیں کرتے تو پشتو لغات و حوالہ جات سے ثابت کرے کہ کمینہ معاذ اللہ کہاں پشتو میں منکسر المزاج کو کہا جاتا ہے؟ کیونکہ اردو میں تو یہ صریح گالی ہے۔

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ (قسط:۱۵)

مسئلہ تین طلاق پر مدلل و مفصل بحث

باب نمبر: ۱۹

غیر مقلدین کی طرف سے مسلم کی حدیثوں پر جرحیں

مسئلہ طلاق ثلاثہ کی بحث میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق غیر مقلدین نے کہا یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور مسلم کی ساری حدیثیں صحیح ہیں، ان کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

"بعد ورود ایں حدیث در مسلم چہ جائے ایں سخن است کہ ایں حدیث مختلف فی الصحۃ است۔"

ترجمہ: مسلم شریف میں آجانے کے بعد اس حدیث کو مختلف الصحت بتلانا انتہائی بے موقع ہے۔

(مسک الختام بحوالہ ایک مجلس کی تین طلاقیں خواجہ قاسم صفحہ ۸۰، ۸۱)

حافظ عبد الغفور غیر مقلد (خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث سرگودھا) لکھتے ہیں:

"جملہ محدثین روایت مسلم کو سنداً اور متناً صحیح تسلیم کرتے ہیں کیوں کہ مسلم کی صحت پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔"

(البیان المحکم صفحہ ۲۵)

جناب مسعود احمد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"صحیح مسلم کی حدیث پر کلام کرنا بہت بڑی جرأت ہے۔"

(مجلسِ واحد میں تین طلاقیں ایک کیوں نہیں؟ ۲۰)

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد نے تین طلاق کی بحث میں حدیث مسلم پر شک کرنے والے کو "نہایت ہی بے

ادب آدمی'' قرار دیا ہے۔''

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''امام مسلم اسے اپنی صحیح کی زینت بنائیں۔ پھر کوئی نہایت ہی بے اَدب آدمی اس حدیث پر شک کر سکتا ہے۔''

(ایک مجلس کی تین طلاقیں ۸۰)

مولانا داود ارشد غیر مقلد ''مسئلہ طلاقِ ثلاثہ'' کی بحث میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث کی صحت کے لیے اس قدر ہی کافی ہے کہ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں داخل کیا ہے۔''

(دین الحق: ۲/ ۶۵۷)

غیر مقلدین کے ''مناظر اسلام، محترم، مولانا، مفتی'' اللہ بخش ملتانی لکھتے ہیں:

''مسلم کی حدیثیں باتفاق صحیح ہوتی ہیں۔''

(نظر ثانی احسن الابحاث صفحہ ۱۱)

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''امام مسلم رحمہ اللہ کا اس حدیث کو صحیح مسلم میں اصولی طور پر درج کرنا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ حدیث شذوذ سے پاک ہے، کیوں کہ امام مسلم کی یہ شرط ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں اصولی طور انہی احادیث کو درج کریں گے جو صحیح ہوں اور ان میں شذوذ اور علت نہ ہو۔ ۔امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی : ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں : شرط مسلم فی صحیحه ان یکون الحدیث متصل الاسناد بنقل الثقة عن الثقة من اوله الی منتهاه سالما من الشذوذ و من العلة ۔امام مسلم کی اپنی کتاب صحیح میں یہ شرط ہے کہ اس کی سند متصل ہو اور تمام راوی از اول تا اخیر ثقہ ہوں اور حدیث شذوذ اور علت سے پاک ہو۔[صیانة صحیح مسلم (ص: ۷۲)] لہذا اس شرط کے مطابق صحیح مسلم کی زیر بحث حدیث شذوذ اور علت سے پاک ہے۔''

(احکامِ طلاق صفحہ ۲۸۴، ناشر: ام القری پبلی کیشنز گوجوانوالہ، اشاعت: ۲۰۲۴ء)

مسئلہ طلاق ثلاثہ پر بات کرتے ہوئے غیر مقلدین دعوی کر رہے ہیں کہ مسلم میں کسی حدیث کا آجانا اس کی صحت کی دلیل ہے اور یہ کہ احادیثِ مسلم کی صحت پر اجماع ہے اور مزید یہ کہ مسلم کی حدیث پر کلام کرنا "بہت بڑی جرأت ہے... نہایت بے ادبی ہے" وغیرہ مگر اس کے ساتھ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ غیر مقلدین نے صحیح مسلم کی حدیثوں پر کھل کر تنقید کی ہے۔ ہم مستقبل میں اس حوالے سے مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، زیادہ تر حوالے اس میں کتاب میں منقول ہوں گے ان شاء اللہ۔ البتہ بطورِ نمونہ یہاں اس کی ایک جھلک قارئین کو دِکھاتے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی کی جرح

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد نے صحیح مسلم :۱/۱۷۴ کی حدیث : اذا قرأ فانصتوا ، جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ کے متعلق لکھا:

> "اس حدیث میں جو زیادت حضرت ابو ہریرہ اور ابو قتادہ کی ذِکر کی ہے، وہ ضعیف ہے امام زہری کے باقی شاگردوں نے اس زیادۃ کا ذِکر نہیں فرمایا۔ یہ زیادۃ ابو سعید خدری سے بھی منقول ہے وہ بھی شاذ ہے۔ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو انصات اور خاموشی سے مراد عدم جہر ہو گا یعنی اس طرح نہ پڑھا جائے کہ امام کی قراءت میں خلجان واقع ہو۔"

(حاشیہ مشکوۃ مترجم صفحہ ۲۹۳، ناشر: ادارہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ)

مولانا محب اللہ شاہ راشدی کی جرح

مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

> "صحیح مسلم کی صحیح پر محدثین کرام رحمہم اللہ و کثر سوادہم "صحیح" کا اطلاق کیا ہے کہ اس معنی سے ہر گز نہیں ہے کہ ان میں سب احادیث بلا استثناء متصل اور صحیح ہیں، اس میں کوئی بھی راوی ضعیف یا مجروح نہیں ہے یا ہر راوی کا سماع اپنے شیخ سے ثابت ہے۔ یہی سبب ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک صحیح مسلم کی روایت پر کلام کرتے آئے ہیں۔ اسی طرح کسی نے بھی نہیں کہا کہ اس کی ہر ایک روایت بالکل صحیح اور ہر علت سے خالی ہے۔ متقدمین کی مثالیں کئی کتب میں

دیکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن متاخرین میں سے مولانا شرف الدین صاحب دہلوی مرحوم، مسلم شریف کی طلاق ثلاثہ کا ایک مجلس میں ایک ہی وقت میں جو دی جائے اور اس کا ایک شمار ہونے والی حدیث پر کلام کیا کرتا تھا اور صحیح قرار نہ دیتا تھا یہاں پر میرا اس حدیث "ماله و ما عليه "کو بیان کرنے کا مطلب نہیں کہ یہ حدیث واقعتا ضعیف ہے۔ جس طرح مولانا مرحوم کہتے تھے۔اس کا محل دوسرا ہے۔ سردست یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مسلم شریف کو متقدمین خواہ متاخرین نے کلام کرنے سے ماوراء نہیں سمجھا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً اس کی حدیث میں کلام کرتے آئے ہیں۔"

(مقالات راشدیہ:۹/ ۱۴۳)

راشدی صاحب لکھتے ہیں:

"مسلم شریف میں کچھ روایات ضعیف اور منقطع وغیرہ ہیں۔"

(مقالات راشدیہ:۹/ ۱۴۷)

مولانا بدیع الدین راشدی کی جرح

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ سب (نماز کو) الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم مع النووی ج ا ص ۱۷۲)

مسلم کی اس حدیث کو غیر مقلدین کے ہاں "شیخ العرب والعجم "کا لقب پانے والے بزرگ مولانا بدیع الدین راشدی نے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ وکیل ولی قاضی غیر مقلد (حیدر آباد سندھ) لکھتے ہیں:

"یہاں یہ بات یاد رہے کہ محترم ومکرم بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ بسم اللہ بالجہر کے قائل وفاعل تھے اور مذکورہ روایت میں چوں کہ بسم اللہ کو سراً پڑھنے کی طرف اشارہ ہے، غالباً اسی بحث میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس پر کلام کیا۔"

(فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام:۳/ ۱۸۴، حافظ زبیر علی زئی)

وکیل ولی قاضی صاحب نے علی زئی صاحب کو مخاطب کر کے مزید لکھا:

”محترم و محبوب شیخ صاحب! اس بحث کو لے کر ہمارے سندھ کے کچھ علماء نے صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث کو ضعیف تسلیم کر لیا ہے اور موبائل پر میسجز (messages) کے ذریعے سے اس کی تشہیر بھی کی جارہی ہے۔ پھر جب ہم نے اپنے دوستوں کے ذریعے سے ان علماء کی توجہ صحیح بخاری و مسلم کی صحت پر ہونے والے اجماع کی طرف دلوائی تو انہوں اس کا بھی انکار کر دیا کہ دونوں کتابوں پر اجماع ہوا ہے یعنی ان کے بقول اجماع نہیں ہے۔“

(توضیح الاحکام: ۳/ ۱۸۴)

شیخ بدیع الدین راشدی لکھتے ہیں:

”صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ مگر یہ صریح دلیل نہیں ہے... اس کے علاوہ صحیح مسلم کے الفاظ صحیح ہونے میں بھی بڑی کلام ہے۔“

(نمازِ نبوی صفحہ ۱۱ ناشر جمعیت اہلِ حدیث سندھ)

راشدی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”چوں کہ اس روایت میں کے الفاظ انس رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر صحیح احادیث کے خلاف ہیں جیسا کہ روایات پہلے بیان ہوئیں جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم جہرا پڑھنے کا ذِکر ہے لہذا باوجود معلول ہونے کے یہ روایت صحیح کے مقابلے میں معتبر نہیں ہے۔“

(احکام البسملة صفحہ ۱۴۰، ناشر: دعوت اہل حدیث پبلی کیشنز حیدر آباد، اشاعت اول مارچ/ ۲۰۰۵ء)

راشدی صاحب حدیث مسلم ”إذا قرأ فانصتوا“ کے متعلق لکھتے ہیں:

”یہ زیادتی شاذ ہے اور شاذ روایت غیر معتبر ہو گی۔“

(مقالاتِ راشدیہ: ۶/ ۷۰)

بدیع الدین صاحب نے اپنی کتاب ”خطبات راشدیہ: ۱/ ۳۳“ میں بھی مسلم کی مذکورہ حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

مولانا عبد الرزاق دَل کی جرح

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے عبد الرزاق دَل اور خبیب اثری وغیرہما آلِ غیر مقلدیت کے بارے میں لکھا:

"ان لوگوں کا منہج درج ذیل باتوں پر مشتمل ہے ... صحیح مسلم میں ضعیف و معلول روایات بھی موجود ہیں جیسا کہ خبیب اور عبد الرزاق دَل صاحبان کی نرالی " تحقیقات ہیں... صحیحین کے محتج بہا راویوں کی منفرد روایات مردود ہو سکتی ہیں۔!!!"

(علمی مقالات:۶/۱۵۱)

شیخ البانی کی جرح

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"علامہ البانی نے صحیح مسلم کی بعض احادیث پر تنقید کی۔"

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۱۴)

شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ ابو الزبیر کی معنعن روایات کی وجہ سے شیخ البانی نے صحیح مسلم کی صحیح روایات پر حملہ کیا۔"

(علمی مقالات:۶/۲۱۰)

مولانا ابو الاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"شیخ البانی نے بخاری و مسلم کی بعض روایتوں کو سلسلہ ضعیفہ اور موضوعہ میں درج کر دیا۔"

(مقالاتِ شاغف صفحہ ۳۶۳)

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی کی جرح

مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اذا قرأ فانصتوا ... یہ زیادت غیر محفوظ ہے۔"

(تفسیر واضح البیان صفحہ ۵۸۷)

یہ حدیث دیگر کتب حدیث کے علاوہ صحیح مسلم: ۱/۲۴۷ پہ بھی ہے۔

مولانا داود ارشد کی جرح

مسلم میں حدیث ہے:

کتا جب تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بہا کر سات مرتبہ دھوئے۔

(صحیح مسلم: ۱/۱۳۷)

مولانا داود ارشد غیر مقلد نے اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھا:

"بلاشبہ اس حدیث سے کتے کے جھوٹے کی نجاست ثابت ہوتی ہے مگر اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔"

(حدیث اور اہلِ تقلید: ۱/۲۰۴)

صحیح مسلم کی حدیث ہے جس میں یہ جملہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات وتر پڑھے۔

(صحیح مسلم: ۱/۲۶۱، حدیث اور اہلِ حدیث صفحہ ۵۵۴)

مولانا داود ارشد غیر مقلد نے اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھا:

"اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت راوی مدلس ہے جیسا کہ امام دار قطنی ابن خزیمہ وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۳۷) اور زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے... امام دار قطنی نے اس روایت پر نکیر کی ہے۔"

(حدیث اور اہلِ تقلید: ۲/۲۳۲)

مولانا صلاح الدین یوسف کی جرح

مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص سورہ کہف کی آخری دس آیات یاد کرے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم: ۱/۲۷۱)

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں بھی دجال کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچاؤ کے لیے نسخہ بتلایا گیا۔ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات دونوں کو یاد کرنا اور صبح و شام ان کی تلاوت کرنا اس کام کے لئے مفید ہیں۔ تاہم شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری روایت کو شاذ اور پہلی روایت کو ہی محفوظ قرار دیا ہے یعنی پہلی دس آیات کی تلاوت فتنہ دجال سے بچاؤ کے لیے مفید ہیں۔ دیکھئے الصحیحۃ رقم ۵۸۲"

(شرح ریاض الصالحین: ۲/۱۱۵)

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حدیث اذا قرأ فانصتوا، (بشرط صحت) جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو" کا مطلب یہ ہے کہ...."

(تفسیری حواشی صفحہ ۲)

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری کی جرح

صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۴ کی حدیث "جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔" کو مولانا عبد الرحمن مبارک پوری نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تحقیق الکلام: ۲/۸۷)

مولانا عبد القادر روپڑی کی جرح

مولانا عبد القادر روپڑی غیر مقلد کہتے ہیں:

"اذا قرأ فانصتوا اکثر محدثین نے اس کو صحیح نہیں مانا... سلیمان تیمی اگرچہ ثقہ ہے مگر پوری جماعت کی مخالفت کی بناپر اس کی زیادتی شاذ ٹھہرتی ہے۔"

(فتوحات اہلِ حدیث صفحہ ۱۱۵)

روپڑی صاحب آگے کہتے ہیں:

"اذا قرأ فانصتوا اکثر محدثین کے نزدیک غیر محفوظ اور ضعیف ہے۔"

(فتوحات اہلِ حدیث صفحہ ۲۹۱)

مولانا محمد گوندلوی کی جرح

مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ جملہ واذا قرأ فانصتوا صحیح نہیں بلکہ شاذ ہے کیوں کہ قتادہ کے شاگردوں کی ایک جماعت نے اس کا ذکر نہیں کیا، صرف سلیمان تیمی نے ذکر کیا ہے۔ سلیمان تیمی اگرچہ ثقہ ہے مگر ایک جماعت کی مخالفت کی بنا پر اس کی زیادتی شاذ ٹھہری۔"

(خیر الکلام صفحہ ۳۰۳)

گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

"نیز اس کی سند میں قتادہ ہے جو تیسرے طبقہ کے مدلسین سے ہے۔ اس طبقہ کی روایت بدوں تصریح سماع قبول نہیں ہوتی۔ بعض حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین میں جو مدلسین کی روایات ہیں، وہ سماع پر محمول ہیں" مگر یہ قاعدہ ان احادیث میں چلتا ہے جہاں تنقید نہ ہوئی ہو۔ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری نہیں رہتا۔"

(خیر الکلام صفحہ ۳۰۵)

مولانا صادق خلیل کی جرح

مولانا صادق خلیل غیر مقلد نے مسلم کی حدیث "اذا قرأ فانصتوا" کو ضعیف کہا ہے۔

(شرح مشکوۃ اردو: ۱/ ۳۶۹)

مولانا ارشاد الحق اثری کی جرح

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات جمہور کے ہاں سماع پر محمول ہیں مگر جہاں دلائل قطعیہ سے انقطاع ثابت ہو، اس کا انکار محض مجادلہ ومکابرہ پر مبنی ہے۔"

(توضیح الکلام صفحہ ۷۰۶)

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لاقراءۃ مع الامام فی شیء، امام کے ساتھ کسی قسم کوئی قراءۃ نہیں۔

(صحیح مسلم: ۱/۲۱۵)

اثری صاحب نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے متعلق لکھا:

"یہ اثر سنداً محلِ نظر ہے۔"

(توضیح الکلام صفحہ ۹۹۳)

مولانا محمد خبیب اثری کی جرح

مولانا محمد خبیب اثری غیر مقلد نے امام مسلم کے متعلق لکھا:

"وہ کبھی کبھار اواخرِ ابواب میں معلول روایت بھی لے آتے ہیں۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۳۳۳)

خبیب صاحب آگے لکھتے ہیں:

"ہم مختصر طور پر ان محدثین کا ذکر بھی مناسب سمجھتے ہیں جنہوں نے اس بات کی نشان دہی فرمائی کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں متابعات اور شواہد میں معلول روایات بھی ذکر کی ہیں۔"

(مقالات اثریہ صفحہ ۳۳۹)

حکیم فیض عالم صدیقی کی مزعوم حدیث مسلم پر جرح

حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد کے خیال میں مسلم میں من گھڑت حدیث ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اس موقعہ کے لیے کسی من چلے نے حدیث سفینہ گھڑی ہے جسے امام نے اپنی صحیح میں درج کر کے دنیائے رفض کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھیار تھما دیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ہیں خلافت تیس برس رہے گی اور پھر ملک ہو جائے گا۔"

(حقیقت مذہبِ شیعہ صفحہ ۲۴)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے مذکورہ حوالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”صحیح مسلم میں کہیں بھی یہ حدیث موجود نہیں ہے، لہٰذا فیض عالم صدیقی کا یہ صحیح مسلم پر بہتان ہے۔“

(علمی مقالات: ۱/ ۳۲۱)

حافظ ثناء اللہ مدنی کی جرح

حافظ ثناء اللہ مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ”صفۃ الصلوۃ“ سے متعلق حدیث کی ایک سند میں یہ اضافہ ہے: ” واذا قرأ فانصتوا ...“ ملاحظہ ہو: مسلم (۴۰۴/ ۶۳) اس اضافے کو کئی محدثین نے غیر صحیح کہا ہے“

(فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ: ۱/ ۳۹۷)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صحیح مسلم شریف (ص ۱۵۵ ج ۲) میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان قربانی میں نہ ذبح کرو، مگر مسنہ، ہاں اگر تنگی ہو تو بھیڑ کا جذعہ کر لو۔ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حزم، علامہ البانی اور ہمارے محترم مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی مد ظلہ العالی کی رائے ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ ابو الزبیر راوی مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔“

(مقالات اثری: ۲/ ۲۷۴)

مولانا کفایت اللہ سنابلی کی جرح

شیخ علی زئی غیر مقلد نے مولانا کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد (ہندی) کے متعلق لکھا:

”سنابلی صاحب ایسے منہج پر گامزن ہیں جس سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے۔“

(علمی مقالات: ۶/ ۳۹۲)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"سنابلی صاحب نے یہاں صحیح مسلم کی صحیح... حدیث ﴿واذا قرأ فانصتوا﴾ پر بھی حملہ کیا ہے۔"

(علمی مقالات: ۴۰۶/۶)

رئیس محمد ندوی کی جرح

رئیس محمد ندوی غیر مقلد "اذا قرأ فانصتوا" کے متعلق لکھتے ہیں:

"زیر عنوان روایت جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو گئی... محدثین کرام نے معتبر نہیں مانا کیوں کہ وہ نصوص شرعیہ و اصول شرعیہ کے خلاف اور سنداً معلول ہے۔"

(سلفی تحقیقی جائزہ صفحہ ۳۶۶)

حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی جرح

حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"سبحنک اللھم و بحمدک وتبارک اسم وتعالی جدک ولا اله غیرک۔(مسلم بسند منقطع)"

حکیم صاحب نے پھر حاشیہ میں لکھا:

"اس دعا کی سند منقطع ہے، اس لیے بہ نسبت اس دعا کے اوپر والی صحیحین کی دعا "اللھم باعد" افضل ہے۔"

(صلوۃ الرسول صفحہ ۱۵۶)

مولانا عبد الرووف سندھو غیر مقلد نے حکیم محمد صادق کے بارے میں لکھا:

"مؤلف رحمہ اللہ نے اس دعاء کو ذکر کرنے کے بعد مسلم کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔"

(القول المقبول صفحہ ۳۴۸)

مولانا عبد الرؤف سندھو کی جرح

حکیم محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد نے ایک حدیث کے بارے میں ”مسلم بسند منقطع“، لکھا تو مولانا عبد الرؤف سندھو غیر مقلد نے اسی کی تشریح میں لکھا:

”اس کی سند میں انقطاع اس لیے ہے کہ عبدہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، جیساکہ نووی نے صراحت کی ہے۔“

(القول المقبول صفحہ ۳۴۸)

سندھو صاحب لکھتے ہیں:

”صحیح مسلم، محلی (۳۸/۲) اور ”بیہقی“ کی ایک روایت میں ”اللحیۃ صیہ“ یعنی غسل جنابت اور غسلِ حیض کے لیے بال کھولوں کا بھی اضافہ ہے۔ مگر اس حدیث میں یہ اضافہ شاذ ہے۔ اس کے شاذ ہونے کی طرف امام مسلم اور ابو عوانہ نے اشارہ کیا ہے۔“

(القول المقبول صفحہ ۱۱۷)

حافظ عبد الستار حماد کی جرح

کسی سائل نے صحیح مسلم کتاب الادب کے حوالہ سے کہا: ”کوئی غلام اپنے آقا کے لیے لفظ مولیٰ استعمال نہ کرے۔“

حافظ عبد الستار حماد غیر مقلد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”مذکورہ بالا سوال میں ذکر کردہ الفاظ ایک طویل حدیث کا حصہ ہیں بلکہ اصل حدیث میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں... ہم نے اس اضافہ کو شاذ قرار دیا ہے، اس کے درج ذیل دلائل ہیں۔“

(فتاویٰ اصحاب الحدیث: ۳۰/۱)

حماد صاحب نے بحث کے آخر میں لکھا:

”مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں ان دو ثقہ راویوں ابو معاویہ اور ابو سعید الاثج کا یہ اضافہ شاذ اور غیر محفوظ معلوم ہوتا ہے اور انہی الفاظ پر ممانعت کی بنیاد ہے۔“

(فتاوی اصحاب الحدیث: ۱/ ۳۱)

شیخ رضاء اللہ عبد الکریم مدنی کی جرح

شیخ رضاء اللہ عبد الکریم مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"پانچویں روایت میں "اذا قرأفانصتوا" کو محدثین نے غیر محفوظ بتلایا ہے چنانچہ امام ابو داود نے اس پر کلام کیا ہے اور اس کو خالد کا وہم بتلایا ہے۔"

(حقیقت پسندانہ جائزہ صفحہ ۳۰۷، ناشر: مکتبہ الفہیم مؤناتھ بھنجن یوپی، اشاعت دوم: جنوری/ ۲۰۱۲ء)

شیخ زبیر علی زئی کی جرح

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے ترک رفع یدین کے ایک اثر کارد کرتے ہوئے لکھا:

"اشعث سے مراد اشعث بن سوار الکندی ہے۔ اسے جمہور علماء نے ضعیف کہا ہے۔ صحیح مسلم میں اس کی روایات متابعات میں ہیں۔"

(نور العینین صفحہ ۳۱۳ طبع ۲۰۰۶ء)

مولانا منیر قمر کی جرح

مولانا منیر قمر غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام مسلم نے اس جملے کو اپنی صحیح میں وارد کرکے اگرچہ اس کی تصحیح بھی کی ہے، مگر امام بخاری، ابن معین، ابو حاتم، ابن خزیمہ، ابو داود، دار قطنی، نیشاپوری، ذہلی، حاکم اور بیہقی نے اس جملے کو شاذ و ضعیف قرار دیا ہے۔"

(سورۃ الفاتحہ: فضیلت اور مقتدی کے لیے حکم صفحہ ۱۷۲)

مولانا رحمت اللہ ربانی کی جرح

مولانا رحمت اللہ ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام مسلم کے سوا باقی تمام محدثین کے نزدیک اس حدیث میں "اذا قرأ فانصتوا" کے الفاظ زائد اور مدرج الفاظ ہیں...... امام مسلم کے سوا باقی جلیل القدر محدثین کے نزدیک یہ

روایت ضعیف ہے۔ اذا قرأ فانصتوا کا جملہ اسی حدیث میں سلیمان تیمی نے بڑھایا ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے باقی تمام شاگردوں کی مخالفت کی ہے۔"

(فرضیت فاتحہ صفحہ ۵۰، تاریخِ اشاعت: ستمبر ۱۹۹۹ء، ناشر: بیت الربانی مکان نمبر ۱۴، گلی نمبر ۱۱ الفیصل ٹاؤن بی بلاک نزد مسجد بلال، غازی روڈ لاہور کینٹ)

صحیح مسلم کی حدیثوں پر جرح کرنے والوں کا مقام

قارئین کرام! آپ نے غیر مقلدین کے حوالہ جات ملاحظہ فرمالیے کہ انہوں نے صحیح مسلم کی کئی حدیثوں پر ضعف کی چھاپ لگادی۔ اَب اگلی بات بھی جانتے چلیں کہ جو صحیح مسلم کی حدیثوں پر جرح کرتا ہے، اس کا کیا مقام ہے۔

مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

"جو حدیث کی شان گھٹانا چاہتا ہے وہ ان دونوں بالخصوص بخاری کو نشانہ بنالیتا ہے تاکہ ان کی ان شان گھٹنے سے سارا فن ہی کمزور ہو جائے۔"

(مودودیت اور احادیث نبویہ صفحہ ۲۸)

خود حافظ ابن قیم کی جرح

طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ میں غیر مقلدین حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا نام بڑے شوق سے پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے مسلم: ۲۵۰۱، دار السلام ۶۴۰۹ کی حدیث کو ضعیف کہا ہے جس کا مضمون ہے کہ سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں اپنی لڑکی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔

(الحدیث شمارہ: ۹۹ صفحہ ۱۵)

وکیل ولی قاضی غیر مقلد (حیدر آباد) نے لکھا:

"حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب [الصلوۃ و السلام علی رسول اللہ (ناقل)] میں صفحہ ۱۶۷ سے ۱۷۵ تک میں اس روایت کا دفاع کرنے والوں پر رد کیا ہے۔"

اور آخر میں لکھا ہے:

''ٹھیک تو یہی ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں کچھ خلط ملط ضرور ہوا ہے۔''

(الحدیث شمارہ:۹۹ صفحہ ۱۵)

مذکورہ بالا تحریر علی زئی صاحب کی کتاب ''توضیح الاحکام:۱۹۱/۳''میں بھی موجود ہے۔

○○○○○○○○○○○○○○○

باب نمبر:۲۰

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے بارے میں کچھ باتیں

مولانا اللہ بخش ملتانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہا اللہ نے اسی مسئلہ کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ یہ دونوں ایسے اہلِ علم ہیں کہ سلف و خلف میں ان دونوں کی نظیر نہیں۔''

(نظر ثانی احسن الابحاث صفحہ ۱۱)

یہ کہنا کہ ''سلف و خلف میں ان دونوں کی نظیر نہیں''نری عقیدت ہے۔ میری معلومات کے مطابق ملتانی مذکور کے علاوہ کسی اور غیر مقلد نے یہ دعوی نہیں کیا۔ ہاں مولانا حنیف ندوی غیر مقلد نے یہ کہہ دیا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے کئی بزرگ پیدا ہوں گے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''خدا ہی جانتا ہے ابھی کتنے رازی، کتنے زمخشری، کتنے ابن تیمیہ اور ابن قیم پیدا ہوں گے اور قرآن کے حکم و اسرار کے کیا کیا پہلو انسان کے ذوق اَدب کی تسکین کا سامان پہنچائیں گے۔''

(مرزائیت نئے زاویوں میں صفحہ ۷۷)

ندوی صاحب نے تو پیش گوئی کی کہ کئی ابن تیمیہ پیدا ہوں گے۔ اس پیش گوئی کے بعد شیخ محمد اسلم سندھی غیر مقلد کی بھی سن لیں۔ انہوں نے شیخ بدیع الدین راشدی کے تذکرہ میں لکھا:

''سندھ کے اہلِ توحید کے ہاں ان کی حیثیت امام ابن تیمیہ، ابن القیم، اور محمد عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے کم نہیں رہی۔ بلاشبہ جماعت اہلِ حدیث کے ہاں ان کے لئے بڑا احترام ہے۔''

(مجلہ بحر العلوم میر پور خاص شیخ العرب والعجم نمبر سلسلہ اشاعت نمبر ۹،۷، ۲۰۰۷ء صفحہ ۸۳)

ملتانی صاحب نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شیخ ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق دعوی کیا کہ سلف و خلف میں ان کی نظیر نہیں جب کہ مولانا داود راز غیر مقلد کہتے ہیں کہ امام بخاری کا جہان میں کوئی مثیل و نظیر نہیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

''ہم پھر ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ فن حدیث شریف میں حضرت امام بخاری قدس سرہ امت کے اندر کے وہ مقام رکھتے ہیں جہاں آپ کا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے۔''

(شرح بخاری اردو مترجم داود راز: ۱/ ۳۶۲)

اس عبارت کے ایک سطر بعد لکھا:

''ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ظاہر ہے کہ ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کا بھی امت میں ایک خصوصی مقام ہے ان کی بھی ذاتی تحقیر گناہ کبیرہ ہے۔ سب کو اپنے اپنے درجہ پر رکھنا اور سب کی عزت کرنا تقاضائے ایمان ہے۔ ان میں سے کس کو کس پر فضیلت دی جائے اور اس کے لئے دفاتر سیاہ کئے جائیں یہ ایک خبط ہے جو اِس چودھویں صدی میں بعض مقلدین جامدین کو ہو گیا ہے۔ اللہ پاک نے پیغمبروں کے متعلق بھی صاف فرمادیا ہے ﴿تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض﴾[البقرۃ:۱۵۳] پھر ائمہ کرام اولیائے عظام و محدثین ذوی الاحترام کا تو ذِکر ہی کیا ہے۔ ان کے متعلق یہی اصول مد نظر رکھنا ہو گا۔'' (شرح بخاری اردو مترجم داود راز: ۱/ ۳۶۲)

داود راز صاحب نے اس شخص کا حکم بھی بیان کر دیا جو کسی بزرگ کو دوسرے پہ فضیلت دے۔ اس سے ملتانی صاحب بلکہ خود راز صاحب کی شناخت ہو گئی۔

مسئلہ تین طلاق عنوان کے تحت شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مقام کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ یہی چوں کہ وہ بہت بڑی شخصیت ہیں تو اُن کا اختیار کردہ موقف راجح ہے۔ اگر یہی ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق مولانا داود راز نے دعوی کیا کہ جہان میں ان کا کوئی مثیل و نظیر نہیں تو کیا امام بخاری کے اختیار کردہ وہ بیسویں مسائل بھی راجح ہیں جو غیر مقلدین کے خلاف ہیں مثلا منی کا ناپاک ہونا، وضو میں موالات کا ضروری نہ ہونا، قلیل دودھ سے رضاعت ثابت ہونا، حالت احرام میں نکاح کا جائز ہونا، لعان کے بعد طلاق دینا اور ایک مجلس کی تین

طلا قوں کا تین ہونا وغیرہ۔

مزید تفصیل کے لیے حضرت مولانا انوار خورشید دام ظلہ کی کتاب: غیر مقلدین امام بخاری کی عدالت میں اور حضرت مولانا حافظ عبد القدوس خان قارن دام ظلہ کی کتاب: بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں دیکھئے۔ اس عنوان پہ بندہ کی بھی دو کتابیں : احادیثِ بخاری اور غیر مقلدین ... اور... غیر مقلدین کا امام بخاری سے اختلاف، شائع شدہ ہیں۔

اگر علمی مقام کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے تو ان کے دیگر مسائل کا کیا بنے گا جو غیر مقلدین کے خلاف ہیں۔ تفصیل کے لیے مولانا ابو بکر غازی پوری رحمہ اللہ کی کتابیں "مسائل غیر مقلدین" .... اور... "کیا ابن تیمیہ اہلِ سنت میں سے ہیں؟ کا مطالعہ کریں۔

پھر یوں بھی سوچیں کہ اس امت میں سب سے بڑھ کر مقام صحابہ کرام کا ہے۔ عام غیر مقلدین کے اعتراف کے مطابق جمہور صحابہ کا نظریہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ماننے کا ہے اور بعض غیر مقلدین نے اعتراف کیا کہ تین طلاقوں کے تین ہونے پہ صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

علامہ ابن تیمیہ سے مطلق تقلید کا جواز

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"بَلْ غَایَتُهٗ مَا یُقَالُ اِنَّهٗ یَسُوْغُ اَوْ یَنْبَغِیْ اَوْ یَجِبُ عَلَی الْعَامِیِّ اَنْ یُّقَلِّدَ وَاحِدًا لَا بِعَیْنِهٖ مِنْ غَیْرِ تَعْیِیْنِ زَیْدٍ وَّلَا عَمْرٍو۔

(مجموع فتاویٰ: ۲۲/۲۴۹)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

"زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عامی کے لئے زید و عمرو کے تعین کے بغیر کسی ایک غیر معین کی تقلید جائز، بہتر یا واجب ہے۔"

(بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم صفحہ ۳۰)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَهُنَا یَنْبَغِیْ تَقْلِیْدُ اَحْمَدَ بِقَوْلِهٖ اَلطَّلَاقُ وَ الْعِتَاقُ لَیْسَا مِنَ الْاَیْمَانِ، یہاں (امام)

احمد کے قول طلاق اور عتاق ایمان میں سے نہیں، کی تقلید مناسب ہے۔"

(فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸۵/۳۵)

جناب فیض اللہ ناصر غیر مقلد نے فتاوی ابن تیمیہ ۲۴۹/۲۲ کے حوالہ سے لکھا:

"تقلید تو ایسے شخص پر واجب ہے جو عامی (جاہل) ہو اور وہ بھی بغیر تعیینِ امام کے۔ عامی کے لیے بھی اس لیے کہ وہ حدیث کے مطالب و مفاہیم کی معرفت سے قاصر ہوتا ہے۔"

(ماہ نامہ "الاحیاء لاہور اگست/۲۰۱۲ء مطابق رمضان/۱۴۳۳ھ صفحہ ۴۶)

ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس غیر مقلد لکھتے ہیں:

"علامہ ابن تیمیہ کے قول میں یا تیسری قسم میں عوام کی تقلید کا جو ذِکر آیا ہے۔ در حقیقت یہ اتباع ہے کیوں کہ عامی نے اس وقت:"فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی جاننے والوں سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں۔" کے حکم پر عمل کیا لیکن اگر اصطلاحی طور پر اس کا نام تقلید ہی رکھا جائے تو کوئی حرج نہ ہونا چاہیے۔"

(تقلید کا حکم صفحہ ۵۴)

علامہ ابن تیمیہ کی طرف سے اقراری مقلد ہونے کا ثبوت

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَاِنِّیْ قَدْ کَتَبْتُ مَنْسِکًا فِیْ اَوَائِلِ عُمْرِیْ فَذَکَرْتُ فِیْهِ اَدْعِیَةً کَثِیْرَةً وَّ قَلَّدْتُّ فِی الْاَحْکَامِ مَنْ اتَّبَعْتُهٗ قَبْلِیْ مِنَ الْعُلَمَآءِ وَکَتَبْتُ فِیْ هٰذَا مَا تَبَیَّنَ لِیْ مِنْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔"

(فتاویٰ ابن تیمیہ:۹۸/۲۶)

ترجمہ: بلاشبہ میں نے اپنی ابتدائی عمر میں منسک پر کتاب لکھی تھی اس میں بہت سی دعائیں ذکر کی تھیں اور احکام میں اپنے سے پہلے والے علمائے متبوعین کی تقلید کی تھی اور اب اس (کتاب) میں وہ لکھا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوا۔

علامہ ابن تیمیہ کے "حنبلی مقلد" ہونے پر غیر مقلدین کی گواہیاں

پاک وہند کے غیر مقلدین بھی حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو حنبلی مقلد تسلیم کرتے ہیں۔اس پر غیر مقلدین کی گواہیاں نقل کرتے ہیں۔مگر اس سے پہلے یہ بھی جانتے چلیں کہ اُن کے والد محترم بھی "حنبلی المسلک" مقلد تھے۔

چنانچہ صفی احمد مدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے والد محترم نامور عالم شہاب الدین عبد الحلیم ابن تیمیہ عالم و محدث حنبلی فقیہ اور صاحبِ درس وافتاء تھے۔"

(مقدمہ العقیدۃ الواسطیۃ صفحہ ۵،ترجمہ وحواشی صفی احمد مدنی،ناشر:شریف غالب بن محمد الیمانی اسلامک ریسرچ اکیڈمی)

یعنی علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حنبلی گھرانہ کے فرد ہیں۔اُن کے والد کا مسلک جان لینے کے بعد اَب خود ابن تیمیہ کے مقلد ہونے پہ حوالہ جات ملاحظہ ہوں!

مولانا ابو الاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن تیمیہ نے اگر اس روایت پر جرح کی ہے تو ان کی یہ جرح مقبول نہیں بلکہ مردود ہے کیوں کہ ان کے امام جن کی وہ تقلید کرتے ہیں یعنی امام احمد بخاری شریف کی صحت کو تسلیم کر چکے ہیں۔"

(مقالاتِ شاغف صفحہ ۳۵۲)

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ کی حنبلیت۔"

(تحریک آزادیٔ فکر صفحہ ۲۳۱)

سلفی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"علامہ مرغینانی صاحبِ ہدایہ، کاسانی مولف بدائع والصنائع اور علامہ سرخسی، قاضی خان، نسفی ابن قدامہ، ابن تیمیہ، علامہ ابو اسحاق، ابراہیم بن علی بن یوسف صاحب مہذب، اسی

طرح زرقانی اور باجی، ابن رشد، شاطبی وغیرہم سب اپنے ائمہ کے مذاہب کو روایت اور درایت کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں ان کے طریق استدلال سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کے محقق ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔"

(تحریک آزادیٔ فکر صفحہ ۱۹۸)

مولانا فضل حسین بہاری غیر مقلد، میاں نذیر حسین دہلوی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کے تذکرہ پر فرماتے ہیں کہ باوجود اس تبحر علمی کے ذراسی رسی حنبلیت کی لگی رہ گئی ہے۔"

(الحیات بعد المات صفحہ ۳۷۲)

اسی طرح کی بات مولانا محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد نے میاں نذیر حسین دہلوی کے حالات میں لکھی، بھٹی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

"وہ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کے بہت مداح ہیں اور ان سے استفادہ فرماتے ہیں لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں اس تبحر علمی کے باوجود ذراسی رسی حنبلیت کی لگی رہ گئی ہے۔"

(دبستان حدیث صفحہ ۸۳)

غیر مقلدین کے "خاتم المحدثین" نواب صدیق حسن خان نے حافظ ابن تیمیہ کو "شیخ الحنابلة" لکھا ہے۔

(الجنة فی اسوة الحسنة بالسنة صفحہ ۳۸)

غیر مقلدین کی کتاب میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے:

"افضل علماء حنابلہ میں سے تھے۔"

(مآثر صدیقی حصہ سوم صفحہ ۱۵۱)

غیر مقلدین کے رسالہ صحیفہ اہلِ حدیث میں لکھا ہے:

"شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی مسلک کے پیرو تھے، فقہ اسلام کے چاروں مسالک میں سے حنبلی مسلک کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہ توحید باری تعالیٰ کے تنزیہی تصور پر مضبوط اعتقاد رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، اس مسلک کے ماننے والوں میں امام ابن تیمیہ، امام جوزی اور شیخ عبد القادر

جیلانی عالم اسلام کے درخشندہ ستارے ہیں، اگرچہ اہلِ تصوف نے شاہ عبد القادر جیلانی کو سلسلہ صوفیاء میں شمار کیا ہے لیکن ان کی کتاب غنیۃ الطالبین حنبلی فقہ کی کتاب ہے۔"

(صحیفہ اہلِ حدیث:۱۶/ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ صفحہ ۱۸)

آلِ غیر مقلدیت کے پرچہ میں "مکتوبات شاہ ولی اللہ" کے حوالہ سے حافظ ابن تیمیہ کو "حنبلی مذہب کے اصول و فروع کے تنقیح کنندہ محقق" لکھا ہے۔

(الاعتصام اشاعتِ خاص بیاد بھوجیانی صفحہ ۶۸۸)

شیخ ابوزکی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ حنبلی مسلک کے پیروکار تھے لیکن بعض مسائل میں فقہ حنبلی سے اختلاف بھی رکھتے تھے۔"

(فقہی مسلک کی حقیقت صفحہ ۱۳۸)

علامہ عبد الرشید عراقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جہاں تک امام ابن تیمیہ کا تعلق ہے انہوں نے بیشتر مسائل میں امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کے مذہب و اصول پر فتویٰ دیا ہے۔"

(کاروانِ حدیث صفحہ ۲۷۲)

عراقی صاحب نے حافظ محمد گوندلوی کے تذکرہ میں لکھا:

"مدینہ منورہ کے قیام کے دَوران آپ سے دریافت کیا گیا کہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانی میں سے کس کو دوسرے پہ فضیلت حاصل ہے؟ حافظ صاحب نے فرمایا: علوم عقلیہ میں امام ابن تیمیہؒ ابن حجرؒ سے زیادہ عالم ہیں اور علوم نقلیہ بمثل اسماء الرجال، تاریخ، اصول حدیث، جرح و تعدیل، نقد و نظر کے اعتبار سے ابن حجرؒ امام ابن تیمیہؒ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ حنبلی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ شافعی مذہب سے وابستہ ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حنبلی مسلک کے طلباء کی اکثریت تھی، اس لئے ان کو حافظ صاحب کی یہ بات ناگوار گزری چنانچہ یہ بات رئیس الجامعہ شیخ ابن بازؒ تک پہنچی تو انہوں نے اس سلسلہ میں

حافظ صاحب کو محاضرے کو دعوت دی۔ سامعین میں جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ و طلباء اور کئی علمی شخصیات موجود تھیں۔ حضرت العلام حافظ نے ساڑھے تین گھنٹے مفصل و مدلل بحث فرمائی، محاضرہ کا موضوع ایمان تھا۔ آپ نے امام ابن تیمیہؒ اور ابن حجرؒ کی تصانیف سے عبارتیں پیش کیں اور اس کے بعد ان کا تقابل کر کے اپنے موضوع کو ثابت کرنے کا حق ادا کر دیا۔"

(چالیس علمائے اہلِ حدیث صفحہ ۳۴۹)

مسئلہ تراویح میں کسی حنفی نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا حوالہ دیا تو مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد اس سے یوں مخاطب ہوئے:

"آپ نے ان کو چھوڑ کر ابن تیمیہ کا سہارا کیوں لیا؟ اور حنفی گھر چھوڑ کر حنبلی جنگل میں کیوں چھپ رہے ہو؟۔"

(تصحیح آٹھ رکعت تراویح صفحہ ۳۷)

مذکورہ عبارت میں "حنبلی جنگل" لفظوں پہ غور رہے۔

شیخ محمد عارف اثری غیر مقلد (مدرس بحر العلوم السلفیۃ میرپور خاص سندھ) نے شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد کی کسی کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا:

"اس کے بعد شاہ صاحب نے حنابلہ کے چوٹی کے علماء کا ذِکر کیا ہے۔(۱) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) امام ابن القیم...."

(مجلہ بحر العلوم میرپور خاص، شیخ العرب والعجم نمبر صفحہ ۴۴۰)

میاں محمد خالد انصاری بھوپالی غیر مقلد نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھا:

"آپ کے مسلک کے مطابق متاخرین میں علامہ ابن تیمیہ و شمس الائمہ امام ابن قیم رحمہما اللہ کے وجود مقدس ممتاز ترین ہیں۔"

(سیرت امام شافعی صفحہ ۳۳۱ بحوالہ علمائے اہلِ حدیث کا ذوقِ تصوف صفحہ ۱۸۵)

مولانا محمد جوناگڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"بعض حنبلی حضرات بھی اسی کے قائل ہیں جیسے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ۔"

(نکاح محمدی صفحہ ۲۰، ناشر اہل حدیث اکیڈمی مؤناتھ بھنجن یوپی)

شرح عقیدہ واسطیہ میں "عقیدہ کے مؤلف کا مختصر تعارف" عنوان کے تحت لکھا ہے:

"ابن تیمیہ جو باعتبار شہر "الحرانی" اور باعتبار مسلک "حنبلی" ہیں۔"

(شرح عقیدہ واسطیہ سوالا وجوابا صفحہ ۱۰، ترتیب و تسہیل الشیخ عبد العزیز الحمد السمان، ترجمہ محمد اختر صدیق، طبع مکتبہ اسلامیہ)

حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ حنبلی کہتے ہیں۔"

(اختلافِ امت کا المیہ صفحہ ۴۸)

حافظ سید رشید احمد ارشد (ایم اے) اپنے مضمون "شیخ ابن کثیر اور اُن کی تفسیر" میں لکھتے ہیں:

"کثرت تصنیف و تالیف کی وجہ سے آخر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ شافعی المذہب تھے مگر امام ابن تیمیہ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے بعض دفعہ حنبلی مسلک پر بھی عمل کرتے تھے۔"

(ہفت روزہ اہلِ حدیث لاہور ۱۹ر ستمبر ۱۹۸۰ء صفحہ ۸)

ہفت روزہ اہلِ حدیث کی اس عبارت کے مطابق علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسے حنبلی المسلک تھے کہ ان کی وجہ سے دوسرے پر حنبلیت کا اثر پڑا۔

ڈاکٹر عبد الکبیر محسن (پروفیسر آف عربی گورنمنٹ اصغر مال کالج راولپنڈی) لکھتے ہیں:

"وہ تو خود حنبلی تھے لیکن میں نے ہمیشہ انہیں تمام دیگر مسالک اہلِ سنت، شافعیہ، مالکیہ اور حنفیہ کی آراء کا احترام سے ذِکر کرتے ہی پایا ہے۔ ائمہ مشائخ اور اکابرین کا ذِکر نہایت توقیر و اکرام سے کرتے ہیں اور عموماً ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ رحمھم اللہ اور بسا اوقات رضی اللہ عنہم لکھتے ہیں۔"

(مقدمہ مترجم، فتاویٰ ابن تیمیہ مترجم جلد ۱۰ صفحہ ۶)

مولانا محمد یحیٰ گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’قاضی مالکی نے ساتھ ہی کہا کہ جو آدمی ابن تیمیہ کے عقائد کو قبول کرے گا، اسے موت اور ضبط جائیداد کی سزا دی جائے گی۔ اس حکم کی ایک نقل نائب دمشق کو بھی بھیجی جسے شیخ شمس الدین محمد بن شہاب حنبلی (۷۲۷ھ) نے جامع مسجد دمشق میں پڑھ کر سنایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حکم سنتے ہی سزا سے ڈر کر بہت سے حنابلہ نے شوافع ہونے کا اعلان کر دیا۔‘‘

(مقلدین ائمہ کی عدالت میں صفحہ ۲۲۷، ادارہ مطبوعاتِ سلفیہ راولپنڈی، طبع خامس: ۲۰۰۲ء)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد نے ’’قرآن مجید میں مجاز کا استعمال‘‘ عنوان قائم کر کے لکھا:

’’مالکیہ میں ابن خویز منداد، شوافع میں سے ابن القاص، حنابلہ میں سے ابن حامد، ابو الحسن التمیمی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ظاہر یہ میں سے ان کے امام داود ظاہری رحمہم اللہ قرآن مجید میں مجاز کا انکار کیا ہے کہ قرآن کل کا کل حق ہے اور حق وہی ہے جو حقیقت ہے۔‘‘

(مقالات عقیدہ اور منہج صفحہ ۲۵۱، دار الفکر الاسلامی لاہور، طبع اول: جنوری/ ۲۰۲۵ء)

مولانا اللہ بخش ملتانی صاحب غیر مقلد نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق کہا:

’’سلف و خلف میں ان کی نظیر نہیں‘‘

حوالہ پہلے گزر چکا۔ حالاں کہ وہ مقلد ہیں، جب کہ غیر مقلدین تقلید کو بنیادی اختلاف کہتے ہیں۔

چنانچہ آلِ غیر مقلدیت کے لکھاری فضل اکبر کشمیری لکھتے ہیں:

’’اہلِ حدیث کا آلِ تقلید کے ساتھ ایمان، عقائد اور اصول کے بعد ایک بنیادی اختلاف مسئلہ تقلید شخصی پر ہے۔‘‘

(پیشِ لفظ دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۴)

آلِ غیر مقلدیت کے ایک اور سپوت شیخ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

’’اہلِ حدیث اور اہلِ تقلید کے درمیان ایک بنیادی اختلاف مسئلہ تقلید ہے۔‘‘

(دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۷)

مولانا محمد یحی گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’مسئلہ تقلید اہلِ حدیث اور اہلِ تقلید کے درمیان ایک اصولی حیثیت رکھتا ہے۔‘‘

(ابتدائیہ مقلدین ائمہ کی عدالت میں صفحہ ۶، ادارہ مطبوعاتِ سلفیہ راولپنڈی، طبع خامس: ۲۰۰۲ء)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور تین طلاق کا مسئلہ

غیر مقلدین کی مذکورہ بالا گواہیوں سے پتہ چلا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حنبلی مقلد ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ان کے کچھ تفردات بھی ہیں ان میں سے ایک مسئلہ تین طلاق ہے۔نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے بھی اسے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تفرد کہا ہے جیسا کہ آگے مولانا شرف الدین دہلوی کی زبانی منقول ہوگا ان شاء اللہ۔

اب رہی یہ بات کہ انہوں نے راہ تفرد کیوں اختیار کی اور وہ اس بے جان مسئلہ کو بزعم خود جان دار بنانے کے درپے کیوں ہوئے؟ یہ آپ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی زبانی معلوم کریں۔ حضرت لکھتے ہیں:

> ”اس مسئلہ میں بزعم خود علمی اور تحقیقی طور پر جن حضرات نے گرم جوشی کے ساتھ حصہ لیا ہے وہ حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے وفادار شاگرد حافظ ابن القیمؒ ہیں اور انہی کے جمع کردہ بے جان دلائل سے زمانہ حال کے غیر مقلدین حضرات لیس ہیں اور انہی سے ان کی جان میں جان آگئی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حق جمہور کے ساتھ ہے اور دوسرا پہلو نہایت کمزور اور انتہائی مرجوح ہے لیکن اس میں بھی اکیلے دوکیلے حضرات کا اختلاف حضرات تابعین کے دَور سے چلا آرہا ہے، حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے دَور میں کسی غالی مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص تین طلاقوں کو ایک قرار دیتا ہے تو وہ کافر اور مرتد ہے اور اس کا قتل جائز ہے جب اس طرف سے سختی ہوئی تو قدرتی بات تھی کہ دوسری طرف سے بھی ایسی ہی سختی ہوتی اور حافظ ابن تیمیہؒ کے مزاج میں حدّت اور شدت تو تھی ہی اُن سے رہا نہ گیا اور اس غالی مفتی کے مقابلہ میں برسر میدان نکل آئے اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیمؒ جو اپنے استاد محترم کے بے حد مداح اور ان پر اعتماد کرتے تھے، ان سے تعاون وتناصر اور جمع ادلہ پر کمربستہ ہوگئے اور بعض دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی دونوں بزرگوں

نے بڑی تکلیف اُٹھائی اور خاصی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ اختلافی مسائل میں اگرچہ کوئی پہلو نہایت ہی مرجوح اور کمزور ہو پھر بھی یہ شدت نامناسب ہے کہ اس مرجوح پہلو کو لینے والے حضرات کو کافر اور مرتد قرار دیا جائے اور اس کے قتل کا فتویٰ صادر ہو۔ اگر یہی وتیرہ رہا تو ائمہ دین میں سے کسی کی خیر نہیں کیوں کہ انہوں نے کسی نہ کسی اجتہادی خطا کا شکار ہو کر کہیں نہ کہیں مرجوح اور کمزور پہلو کو بھی اختیار کیا ہے، ہماری دانست اور فہم کے مطابق ان دونوں بزرگوں کی شدت صرف اسی پہلو کے پیش نظر ہے، باقی جمہور سے اختلاف محض ضمنی ہے۔"

(عمدۃ الاثاث صفحہ ۴۶)

حضرت رحمہ اللہ مذکورہ عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ جب حافظ ابن القیمؒ ایسے غالی مفتی کے متشددانہ رویہ کو پیش نظر رکھتے ہیں تو زاد المعاد، اغاثۃ اللهفان اور اعلام الموقعین وغیرہ میں (بزعم خود) خوب دلائل سے بحث کرتے ہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ مرجوح پہلو کی بھی کچھ نہ کچھ اصل بتائیں اور جب اس نظریہ سے ذہول ہوتا ہے تو تہذیب السنن ابی داود میں قاضی ابو بکر ابن العربی کے حوالے سے جمہور کے دلائل پیش کرتے ہیں اور وہاں نہ تو ان کا رد کرتے ہیں اور نہ دوسری طرف کے دلائل کا سوال ہی سامنے لاتے ہیں اور جمہور کے دلائل نقل کر کے چپ سادھ لیتے ہیں حتی کہ محشی کو یہ شکوہ کرنا پڑا ہے کہ نامعلوم حافظ ابن القیمؒ خلاف عادت یہاں کیوں خاموش ہو گئے ہیں ور ان دلائل کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ (ملاحظہ ہو حاشیہ تہذیب السنن ابی داود جلد ۳ صفحہ ۱۲۹ طبع مصر) چنانچہ اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے حافظ ابن القیمؒ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کے کچھ نام لیتے ہیں جن میں ابن زنباع، محمد بن بقی بن مخلد، محمد بن عبد السلام اور اصبغ بن الحباب وغیرہ ہیں اور جن میں بیشتر اہلِ ظاہر حضرات ہیں آگے بحث کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: " اَفَتَرٰى الْجَاهِلُ الظَّالِمُ الْمُعْتَدِىُ يَجْعَلُ هٰؤُلَاءِ كُلَّهُمْ كُفَّارًا مُبَاحَةَ دِمَائِهِمْ ۔ (اغاثۃ اللهفان ج ۱ صفحہ ۳۲۹ طبع مصر) کیا پس تو دیکھے گا اس جاہل ظالم اور بے انصاف کو کہ

وہ ان سب حضرات کو کافر قرار دے گا اور ان کے قتل کر دینے کو روا رکھے گا؟" حافظ ابن القیمؒ کی اس عبارت کو بار بار پڑھے اور ملاحظہ کیجئے کہ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا ایک کمزور اور شاذ قول کو لے کر ایک قسم کی جدت شدت اور حدت اختیار کرنا کس بات پر مبنی ہے؟ ظن غالب ہے کہ اگر دوسری جانب سے اس مسئلہ کو دلائل اور براہین کی حد تک رکھا جاتا اور جمہور کے دلائل کو اُجاگر کیا جاتا اور بے جا تشدد سے کام نہ لیا جاتا تو حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی اپنی برقی طبیعت سے کام نہ لینا پڑتا اور حافظ ابن القیمؒ بھی اپنے استاد محترم کے موقف کو قوی کرنے کے لیے مردود دلائل میں اپنے قلم کے زور سے جان ڈالنے اور روح پھونکنے کے درپے نہ ہوتے۔"

(عمدۃ الاثات صفحہ ۴۷)

حضرت رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

"اور حافظ ابن القیمؒ ہی امام طحاوی الحنفیؒ کی کتاب الآثار کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کا اختلاف اور ان کے دلائل بیان کئے ہیں" [حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں] "ترجمہ: پھر امام طحاویؒ نے دوسرے حضرات کے دلائل بیان کئے ہیں اور تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کے دلائل کا جواب دیا ہے جیسا کہ اہلِ علم اور دین دار حضرات کا شیوہ ہے کہ اپنے ساتھ مخالفت رکھنے والے سے انصاف کرتے اور اس سے بحث کرتے ہیں اور امام طحاویؒ کسی جاہل ظالم اور بے انصاف کے راستہ پہ نہیں چلے جو دو زانو ہو کر بیٹھ ہو جائے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر محض اپنے منصب کے ذریعہ دوسرے پر حملہ آور ہو، نہ کہ علم کے ذریعہ اور بُرے ارادہ سے اس کے درپے ہو، نہ کہ حسنِ فہم سے اور یہ کہے کہ اس مسئلہ میں کلام کرنا ہی کفر ہے اور کلام کرنے والا قابل گردن زدنی ہے تاکہ اس طرح دوسرے فریق کو خاموش کرا دے اور اس کو لب کشائی ہی سے روکے اور میدان علم میں اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہی نہ ہو۔" (اغاثة اللهفان: ۱/۳۲۷) اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ حافظ ابن القیمؒ کا اپنے استاد محترم کی طرح اس مسئلہ میں جتنا غلو بھی ہے وہ

محض غلو کے مقابلہ میں ہے اور تشدد کے مقابلہ میں جذباتی طبیعتوں کے لیے تشدد ایک نفسیاتی امر ہے۔ اگر دوسری طرف سے یہ غلو نہ ہوتا اور تکفیر اور قتل کے فتوے صادر نہ ہوتے تو حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ بھی اس میں شدت اور غلو سے کام نہ لیتے اور نہ مصائب برداشت کرتے۔"

(عمدۃ الاثاث صفحہ ۴۸)

حضرت آگے لکھتے ہیں:

"علاوہ ازیں ان کی شدت کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ان کو اس مسئلہ کی وجہ سے لوگوں کی طرف سے کافی سزا بھی دی گئی تھی اور یہ ایک فطری اور طبعی بات ہے کہ جب ایک جانب سے سختی ہو تو دوسری طرف سے زیادہ شدت اختیار کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ امیر یمانی لکھتے ہیں: "اور انہوں نے اپنے مخالفین پر نہایت سختی سے انکار کیا ہے اور تین طلاقوں کو ایک سمجھنا ان کے نزدیک رافضیوں اور مخالفین کی علامت ہے، اسی فتویٰ کو رُو سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو سزا دی گئی اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیمؒ کو تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے کے فتویٰ کی وجہ سے اونٹ پر سوار کر کے (بطورِ سزا کے) پھرایا گیا۔ (سبل السلام: ۲/ ۲۱۵)... ظاہر بات ہے کہ چوں کہ عمومی طور پر اس وقت تک دفعۃً تین طلاقوں کے کے واقع ہونے کا مسلک رافضیوں کا تھا اور اہل السنت والجماعت اس کے مخالف تھے اس لیے ان حضرات پر تشدد کیا گیا اور ان کی خوب پٹائی ہوئی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے اس مسلک کو اختیار کرنے سے یہ پہلو حق اور صحیح ہو گیا اور جمہور کا مسلک جس پر ان کا اجماع واتفاق ہے وہ کمزور ہو گیا۔ حق بہر حال جمہور کے ساتھ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں طریقے پسندیدہ نہیں ہیں نہ تو ایسے شاذ اور خلافِ اجماع قول پر بے جا اصرار اور ضد ہی بھی ہے اور نہ کسی بھی اختلافی مسئلہ میں (گو وہ مرجوح و کمزور پہلو کا حامل ہی کیوں نہ ہو...) دوسرے فریق کی مار پٹائی درست ہے اور نہ اس کو کافر اور مرتد قرار دینا اور قابل گردن زدنی قرار دینا درست ہے۔"

(عمدۃ الاثاث صفحہ ۴۹)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مولانا سرفراز صاحب اور بریلوی مولوی مجددی کے اس مسئلہ کے بارہ میں یہ کہنا کہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے آٹھ سو سال بعد ایجاد کیا جس کے بدلے میں انہیں کوڑے مارے گئے حقائق پر پردہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن قیم اور ابن تیمیہ رحمہا اللہ کو حق کی حمایت کی وجہ سے کوڑے مارے گئے حق والوں کے ساتھ شروع سے ایسا ہو رہا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شعب ابی طالب میں بند کیا گیا، مکہ سے نکالا گیا تھا، صحابہ کو سولیوں پر چڑھایا گیا امام ابو حنیفہؒ کا جنازہ بھی جیل سے نکالا گیا تھا کیا یہ سب معاذ اللہ غلطی پر تھے؟"

(احسن الابحاث صفحہ ۷۶)

حکیم صاحب نے اسی طرح کی بات صفحہ ۶۴ میں بھی لکھی ہے۔

الجواب:

(۱) "تین طلاق کو ایک کہنا آٹھ سو سال بعد علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایجاد کیا" یہ صرف دیوبندی و بریلوی نہیں کہہ رہے، بلکہ آپ کی جماعت کے "بیہقی وقت" مولانا شرف الدین دہلوی اور انجینئر محمد علی مرزا غیر مقلد نے بھی ڈنکے کی چوٹ کہا ہے۔ اسی طرح سزا کی بات بھی صرف دیوبندی و بریلوی نہیں کہہ رہے۔ دہلوی صاحب نے بھی لکھی ہے بلکہ ان سے پہلے امیر یمانی نے بھی یہی کچھ تحریر کیا ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو تکلیفیں کافروں کی طرف سے دی گئیں، چوں کہ کفار کفریہ عقائد پر تھے، اس لئے انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا۔ جب کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مخالفت مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد کی تصریحات کے مطابق "علمائے اسلام" نے کی تھی۔ اس لیے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کہاں کفار کی اذیتیں اور کہاں علمائے اسلام کی مخالفت...!؟

(۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو تو اس وجہ سے جیل میں ڈالا گیا کہ انہوں نے حکومتی عہدہ قبول نہیں کیا تھا۔ یہ بات غیر مقلدین کے حوالوں کے ساتھ ہم اپنی زیر ترتیب کتاب "غیر مقلدین کا امام ابو حنیفہؒ کو خراجِ تحسین" عرض کریں گے ان شاء اللہ۔ یہ کتاب مجلہ "اَلْفَتْحِیہ" احمد پور شرقیہ میں قسط وار شائع ہو رہی ہے، والحمد للہ۔

جب کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو سزا اس وجہ سے دی گئی کہ انہوں نے رافضی مذہب کے مطابق فتوی دیا تھا۔ حکومتی عہدہ قبول نہ کرنا جائز بلکہ ورع و تقویٰ ہے اور اگر یقین یا ظن غالب ہو کہ حکومت اپنی مرضی کے مطابق خلافِ اسلام فیصلہ کرنے پر مجبور کرے گی تب تو حکومتی عہدہ ٹھکرانا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب کہ رافضی مذہب کے مطابق فتویٰ دینا نہ جائز ہے اور نہ ہی تقویٰ و ورع کا تقاضا۔ کہاں وہ تقویٰ پر مبنی موقف..... اور کہاں یہ روافض کی ہمنوائی؟

(۴) حکیم صاحب لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ..."

حکیم صاحب نے جو اَصل بات کی ہے وہ تو پڑھ لی اور اس پر تبصرہ بھی کر دیا۔ اب جو اَصل بات غیر مقلدین کے "بیہقی وقت" مولانا شرف الدین دہلوی نے لکھی ہے، وہ بھی پڑھیں:

"دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق، مجلسِ واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتوی شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے، ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کئے گئے اس لیے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامتِ روافض کی تھی۔"

(فتاویٰ ثنائیہ: ۲/۲۱۹)

مولانا شرف الدین دہلوی کی مذکورہ عبارت میں یہ جملہ "ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا" بھی ہے۔ اور شور کی وجہ یہ ہے: "اس وقت یہ مسئلہ علامتِ روافض کی تھی۔"

معلوم ہوا کہ طوفان برپا کرنے والے علمائے اسلام تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تین کو ایک کہنا روافض کا شعار تھا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے سوانح نگار شیخ ابو زہرہ نے ان کے متعلق لکھا:

"امام صاحبؒ کا یہ مسلک شیعہ امامیہ کے مسلک سے ملتا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک بھی طلاق ثلاث بہ لفظ ثلاث سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔"

(حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ صفحہ ۶۳۴، المکتبة السلفیة شیش محل روڈ لاہور)

مولانا شرف الدین دہلوی نے اعتراف کیا سات صدیوں میں تین طلاقوں کو تین سمجھا جاتا رہا۔ سات سو سال بعد علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے خلاف طلاق کو کہنے کی بات شروع کی۔ اس طرح کا اشارہ دیگر لوگوں نے بھی کیا ہے۔ مثلاً:

غیر مقلدین کی طرف سے شائع کردہ مؤطا مالک مترجم میں لکھا ہے:

"انہوں [سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (ناقل)] نے سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا کہ تین کو تین ہی شمار کرو، اور ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ اس عمل سے باز آجائیں لیکن بعد میں اکثر فقہاء اسی پر مسلسل قائم رہے۔ تاوقتیکہ امام ابن تیمیہ اور امام بن قیم رحمہ اللہ نے اس جمود کو توڑا اور باوجود سخت ترین مخالفت کے تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے پر زور دار بیانات دیئے۔"

(المؤطا: ۲/۴۵۷، ترجمہ و تخریج و شرح حافظ ابو سمیعہ محمود تبسم حفظہ اللہ، تحقیقی افادات: علامہ ناصر الدین البانی، ڈاکٹر سلیم الہلالی، احمد علی سلیمان المصری، نظر ثانی: حافظ عبد اللہ رفیق و حافظ حامد محمود الخضری، تقریظ: شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ، اسلامی اکادمی ۱۷۔ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور)

مذکورہ عبارت میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے موقف کو جمود قرار دے کر کہا گیا کہ اس جمود کو توڑنے والے پہلے اشخاص علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم رحمہما اللہ ہیں۔ غیر مقلدین کے بقول سات صدیوں تک تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا جمود رہا اور ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ غیر مقلدین دَور صحابہ کرام سے ہی چلے آ رہے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اگر ان سات صدیوں میں بھی غیر مقلدین موجود تھے تو اس جمود کو کیوں نہ توڑا، اس کی

اولیت حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد کے حصہ میں کیوں کر آئی؟

رہا معاملہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا تین کو ایک قرار دینا یا بقول تمہارے جمود کے خلاف آواز اُٹھانے کی پہل کرنا، تو عرض ہے کہ وہ حنبلی المسلک ہیں مگر کچھ مسائل میں تفردات بھی رکھتے ہیں۔ تین کو ایک کہنا بھی ان کا تفرد ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تفردات پر کئی لوگوں نے مستقل کتابیں لکھیں، چند کتابوں کے حوالے شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے اپنی کتاب " احکامِ طلاق صفحہ ۶۱۲، ناشر: ام القری پبلی کیشنز گوجوانوالہ، اشاعت: ۲۰۲۴ء" میں دیئے ہیں۔

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں، اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔"

(فتاویٰ ثنائیہ ۲/۲۱۹، اسلامک پبلشنگ ہاؤس شیش محل روڈ لاہور)

اور غیر مقلدین کی کتابوں میں یہ اعتراف موجود ہے کہ اگر کوئی مقلد چند مسائل میں اپنے امام سے اختلاف کرے تو وہ دائرہ تقلید سے خارج نہیں ہو جاتا۔

مؤطا مترجم کی مذکورہ عبارت میں یہ بھی کہا گیا کہ اکثر فقہاء تین طلاقوں کو تین قرار دینے کے جمود پر قائم رہے۔ بتایا جائے اُن فقہاء میں محدثین بھی شامل ہیں؟ جب کہ غیر مقلدین کے ہاں اصل فقہاء تو محدثین کرام ہی ہیں۔

ہم اس سوال کو یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ تمہارے بقول تین طلاقوں کو تین ماننا قرآن و حدیث کے خلاف فقہی جمود ہے تو کیا محدثین کرام بھی اسی جمود پر قائم رہے؟ آخر آپ کس دلیل سے محدثین کو اس جمود سے بری قرار دیں گے؟ جب کہ تمہارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ محدثین کرام بغیر کسی فقہی جمود کے قرآن و حدیث کے نصوص کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اور آپ لوگوں کا یوں دعویٰ بھی ہے کہ محدثین کرام اور انگریز سے اہلِ حدیث نام وصول کرنے والے دونوں ایک ہی جماعت و مسلک ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو مخالفت کا سامنا

شرح عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے:

''مسئلہ طلاقِ ثلاثہ میں فتویٰ صادر کرنے پر طوفان برپا ہو گیا تھا۔ ۷۲۶ھ میں صالحین اور انبیاء کی قبروں کی جانب نیکی اور ثواب کے ارادے سے قلبی اہتمام کے ساتھ سفر کرنے پر گفتگو چھڑی تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تو آپ کو ہم عصر علماء کی جانب سے انتہائی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔''

(شرح عقیدہ واسطیہ سوالا وجوابا صفحہ ۱۱، ترتیب وتسہیل الشیخ عبد العزیز الحمد السمان، ترجمہ محمد اختر صدیق، طبع مکتبہ اسلامیہ)

پروفیسر قاضی مقبول احمد غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینا زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا۔''

(اسلام اور اجتہاد صفحہ ۱۳۸)

قاضی صاحب نے اس عبارت میں زمانہ کا تعین نہیں کیا لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے دَور کی بات ہو گی۔

مخالفت کا سامنا حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کو بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی غیر مقلد نے ان کے متعلق لکھا:

''اونٹ پر باندھ دیئے گئے۔ بازاروں میں گھمائے جاتے ہیں، کوڑے کھا رہے ہیں۔''

(سنت نبوی اور ہم صفحہ ۱۶۹، انصار السنۃ پبلی کیشنز لاہور)

علامہ ابن تیمیہ کی تقلید میں تین کو ایک کہا گیا

مولانا عمر فاروق سعیدی غیر مقلد نے شیخ البانی غیر مقلد کے حوالہ سے لکھا:

''مصر اور شام وغیرہ میں جب اس حکم کو قانون بنایا گیا تو اتباع سنت اور احیائے سنت کی غرض سے نہیں بلکہ بربنائے مصلحت اور ابن تیمیہ کی تقلید میں ایسا کیا گیا ہے۔''

(شرح ابو داود: ۲/ ۶۸۲)

سعیدی صاحب نے مصر وشام والوں کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کا طعنہ دے دیا مگر یہ نہیں بتایا کہ

پاک وہند کے اہلِ حدیث کہلوانے بھی چُھپ چُھپ کر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کیا کرتے ہیں۔ ثبوت کے لیے آگے آنے والا عنوان ”علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مقلدین“ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مقلدین

اہلِ حدیث کہلوانے والوں کے متعلق کسی نے کہہ دیا کہ یہ مسئلہ تین طلاق میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں۔ مولانا داود ارشد غیر مقلد نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

”جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔“

(تحفہ حنفیہ صفحہ ۴۸۲)

اوپر مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد کا اعتراف مذکور ہو چکا کہ تین طلاق کو ایک کہنا سات سو سال بعد کے اُن لوگوں کا مسلک ہے جو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتویٰ پابند ہیں۔

داود صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اہلِ حدیث ہونے کے دعوے دار اپنے علماء کے اعتراف کے مطابق حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کیا کرتے ہیں۔ ثبوت حاضر ہیں۔

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

”بعض علمائے اہلِ حدیث امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ سے اتنا متاثر ہیں کہ ان کے خیالات کو مقلدانہ طور پر مانتے ہیں“

(تذکرہ حافظ محمد گوندلوی صفحہ ۱۱۹ مرتب شاہد فاروق نا گی)

شیخ عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”غزنوی بزرگ خصوصاً اور دیگر اہلِ حدیث عموماً امام ابن تیمیہ کی عملاً تقلید کیا کرتے ہیں“

(العطر البلیغ صفحہ ۱۵۹ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد دوم)

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان لکھتے ہیں:

”بعضے اہلِ حدیث ایسے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کی تقلید سے بھاگے لیکن ابن تیمیہ اور ابنِ قیم اور شوکانی اور مولوی اسماعیل دہلوی اور نواب صدیق حسن خان مرحوم کی تقلید اندھا دھند کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ“

(لغات الحدیث ۱/۲۱، درخ)

”فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ“ کا ترجمہ یہ ہے: بارش سے بھاگا اور پرنالہ کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

وحید الزمان صاحب اپنے اہلِ حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”حرمتِ سماع اور مزامیر میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے مقلد بن جاتے ہیں... عجیب بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور علماء سلف کی نسبت تو کہتے ہیں کہ وہ معصوم عن الخطانہ تھے انہوں نے بہت سے مسائل میں خطا کی اور جب یہ کہو کہ ابن تیمیہ یا ابن قیم یا شاہ ولی اللہ یا مولانا اسماعیل یا قاضی شوکانی یا نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اس مسئلہ میں خطا کی تو فورا کان کھڑے کر کے چراغ پا ہو جاتے ہیں گویا ان متاخرین کو معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں یہ تو وہ مثال ہے فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ“

(لغات الحدیث: ۲/۱۵۰، س)

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

”ہمارے اہلِ حدیث بھائیوں نے ابنِ تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکے دار بنا رکھا ہے جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے۔ بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف سے کام لو جب تم نے امام ابو حنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو اُن سے متاخر ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟“

(لغات الحدیث ۲/۱۲ ص ب)

وحید الزمان صاحب دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

”اس وقت میں جو ایک جماعت اہلِ حدیث کہلاتی ہے وہ باوجود دعویٰ اتباع سنت کبھی کبھی اپنے علماء جیسے ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور شوکانی اور مولانا اسماعیل شہید ہیں ایسے مقلد بن جاتے ہیں کہ ان کی رائے کے خلاف دلیل بیان کرنے والے کی دلیل نہیں سنتے۔“

(تیسیر الباری: ۶/۹۹ طبع نعمانی کتب خانہ)

وحید الزمان صاحب آلِ غیر مقلدیت کی تصریحات کے مطابق ''اہلِ حدیث'' تھے حوالہ جات کے لیے بندہ کی کتاب ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' حاشیہ: ۹۸ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

داود ارشد صاحب بھی وحید الزمان کو اہلِ حدیث مانتے ہیں۔

(تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۰۴، دین الحق: ۱/ ۲۸۰)

نیز داود صاحب نے علامہ وحید الزمان کو اپنے اسلاف میں شمار کیا ہے۔

(حدیث اور اہلِ تقلید: ۱/ ۱۶۲)

اہلِ حدیث کو کسی نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مقلد کہا تو داود صاحب اسے فوراً جھوٹ کہنے لگ گئے۔ جب کہ ان کے اپنوں نے بھی ڈنکے کی چوٹ اہلِ حدیث کو علامہ ابن تیمیہ کا مقلد کہہ دیا ہے اَب دیکھتے ہیں کہ داود صاحب اپنے غیر مقلدین کے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہیں؟؟

فتوائے تکفیر میں علامہ ابن تیمیہ کی تقلید

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد نے ڈاکٹر اسرار صاحب کے نظریہ وحدۃ الوجود پہ بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا:

''رہے وہ لوگ [شیخ زبیر علی زئی وغیرہ آلِ غیر مقلدیت (ناقل)] جو ڈاکٹر صاحب کی توجیہ و تاویل کی بنا پر ان کے ایمان کی نفی کرتے ہیں تو ان کے ضمن میں خیال رہے کہ اولاً: انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ نظریے کو درست طور پر سمجھا ہی نہیں، جبھی تو وہ انہیں شیخ ابن عربی کا ہم خیال گردانتے ہوئے تکفیر سے نیچے کی بات ہی نہیں کرتے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ انہوں نے شیخ ابن عربی کو بھی نہیں سمجھا اور وہ محض شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید میں شیخ ابن عربی پر فتوے لگاتے ہیں، ورنہ شیخ ابن عربی کی دقیق عبارتیں سمجھنا ان کے بس سے باہر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ کل کا کل فلسفہ ہے اور آج کل علماء کا فلسفے کا ذوق اور مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے، لہذا انہیں فلسفیانہ مباحث سمجھ ہی نہیں آتے کہ اس فن کی بنیادی اصطلاحات سے ہی واقف نہیں ہیں۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ ایک عالم دین فلسفے کا عالم نہیں ہے، تو وہ عالم دین پھر بھی کہلائے گا کہ اس اِس سے اُس کے عالم دین ہونے کی نفی لازم نہیں آتی

۔ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ عالم دین ہونے کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ وہ فلسفہ کا بھی عالم ہو۔ اور یہی معاصر سلفی علماء کی کمی ہے کہ فلسفے کا علم بھی حاصل نہیں کرتے اور فلسفیانہ مباحث میں سطحی بحثیں کر کے یہ توقع رکھتے ہیں کہ لوگ ان کی بات کو قبول کریں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ اس سلسلے کی آخری کڑی تھے جو اِن مسائل کو سمجھتے تھے۔ اور اَب تو ان کو سمجھنے والے بھی نہیں رہے۔''

(مقالات عقیدہ اور منہج صفحہ ۱۱۰، دار الفکر الاسلامی لاہور، طبع اول: جنوری ۲۰۲۵ء)

ڈاکٹر صاحب نے اس عبارت میں تسلیم کیا ہے کہ سلفی علماء نے شیخ ابن عربی پر فتوی تکفیر (کفر کا فتوی) لگانے میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کی ہے۔ اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ کسی فروعی مسئلہ میں تقلید کی بہ نسبت فتوائے تکفیر میں تقلید کرنا کئی گنا بھاری ہے۔ مگر مدعیان اہلِ حدیث نے یہ بھاری تقلید پہ قبول کر لی۔ پھر صرف اسی پہ بس نہیں خود ڈاکٹر صاحب نے اس بھاری تقلید کرنے کی اجازت دے دی ہے جیسا کہ ''علامہ ابن تیمیہ کی تقلید کرنے کی اجازت'' عنوان کے تحت آرہا ہے ان شاء اللہ۔

فتوائے تکفیر میں علامہ ابن تیمیہ کی تقلید کرنے کی اجازت

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جس فن میں آپ نقد کرنے بیٹھے ہیں، پہلے اس کی ابجد سے تو واقف ہو جائیں ورنہ تو آپ کی نقد اہلِ فن کے نزدیک مذاق بن کر رہ جائے گی۔ اگر آپ کو متعلقہ فن میں درک حاصل نہیں ہے یعنی فلسفہ اور کلام میں تو پھر آپ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید میں شیخ ابن عربی پر نقد کر لیں، اس میں بھی حرج نہیں۔ لیکن جو آپ نہیں ہیں یعنی فلسفہ وکلام کے ماہر تو برائے مہربانی بتکلف وہ بننے کی کوشش نہ کریں۔ صرف اپنے بڑوں کی تقلید میں ان کا کالم نقل کر دیا کریں اور ان پر اعتماد کا اظہار کر دیا کریں۔''

(مقالات عقیدہ اور منہج صفحہ ۸۳، دار الفکر الاسلامی لاہور، طبع اول: جنوری ۲۰۲۵ء)

مخالف کا موقف ان کے نزدیک اجماعی ہے

حافظ احمد بن عبد الحلیم المعروف ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ جمہور کا مسلک یوں نقل کرتے ہیں:

" وَلَمَّا ثَبَتَ عِنْدَهُمْ عَنْ اَئِمَّةِ الصَّحَابَةِ اَنَّهُمْ اَلْزَمُوْا بِالثَّلَاثِ الْمَجْمُوْعَةِ قَالُوْا لَا يَلْزَمُوْنَ بِذٰلِکَ اِلَّا وَذٰلِکَ مُقْتَضَى الشَّرْعِ وَ اعْتَقَدَ طَائِفَةٌ لُزُوْمَ هٰذَا الطَّلَاقِ وَاِنَّ ذٰلِکَ اِجْمَاعٌ لِکَوْنِهِمْ لَمْ يَعْلَمُوْا خِلَافًا ثَابِتًا۔

(فتاویٰ ۳/ ۲۱ طبع مصر)

اور جب ان کے نزدیک ائمہ صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے تین اکٹھی طلاقوں کو لازم قرار دیا ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام سے بلا دلیل شرعی ایسا نہیں ہو سکتا اور اس گروہ نے ان کے لزوم کا اعتقاد کیا اور یہ ان کے نزدیک اجماعی امر ہے کیوں کہ اس کے خلاف ان کے علم میں کچھ ثابت ہی نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اجماع کے خلاف اجتہاد کیا

مولانا محمد حنیف ندوی غیر مقلد ''کیا اجماع کی مخالفت صحیح اور صحت مند ہو سکتی ہے'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''بسا اوقات اجماع کی خلاف ورزی صحیح اور صحت مند بھی ہو سکتی ہے اس کی روشن مثال ابن تیمیہ کا وہ اجتہاد ہے جو اُنہوں نے ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے بارے میں پیش فرمایا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ایسی تین طلاقیں رجعی ہوتی ہیں۔''

(مسئلہ اجتہاد صفحہ ۱۰۵)

ندوی صاحب کی پوری عبارت ہم نے اپنی اسی کتاب میں اجماع والے باب میں نقل کر دی ہے۔

ندوی صاحب کی اس عبارت میں ایک تو اعتراف ہے کہ تین طلاقوں کو ایک کہنا حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اجتہاد ہے۔ یعنی قرآن و حدیث میں صراحۃً مذکور نہیں ہے۔ لہذا تین کو ایک کہنے والے مسئلہ کی مخالفت ان کے اجتہاد کی مخالفت ہے، نہ کہ قرآن و حدیث کی۔

ندوی صاحب نے دوسری بات یہ تسلیم کی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ اجتہاد اجماع کے خلاف ہے۔ لہذا ندوی صاحب کی اس عبارت کے مطابق یہ کہنا بجا ہے کہ غیر مقلدین نے تین کو ایک کہنے میں اجماعِ امت کے خلاف حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اجتہاد کو پلے باندھ رکھا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کی بنیادی دلیل کی حیثیت مولانا ارشاد الحق اثری کی زبانی

کسی نے کہا کہ اگر کوئی حدیث درایت کے خلاف ہو تو اسے رد کر دیا جائے گا۔ پھر اس نے اس کی مثال میں حدیث قلتین کو پیش کر کے لکھا چوں کہ یہ حدیث درایت کے خلاف ہے اس لئے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن میں اسے شاذ قرار دیا۔ کیوں کہ اس حدیث کا تعلق حلال و حرام سے ہے اور بجز عبد اللہ بن عمر کے اور ان سے صرف ان کے دو شاگردوں (عبد اللہ اور عبید اللہ) کے کوئی اور روایت نہیں کرتا۔ (محصلہ)

اس کے جواب میں مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے لکھا:

"بلاشبہ علامہ ابن قیمؒ نے بلکہ ان کے استاذ محترم علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی "اسی اصول" کی بناء پر اس روایت [قلتین والی (ناقل)] پر تنقید کی مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ صحیح مسلم میں طلاق ثلاثہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت کو وہ اپنے فتویٰ کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی حلال و حرام سے متعلق ہے اور زندگی کے ایک اہم مسئلہ کا اس سے تعلق ہے۔ اسے بھی صرف حضرت ابن عباسؓ ہی روایت کرتے ہیں، اور ان کے تلامذہ میں طاؤس کے علاوہ کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا بلکہ سعید بن جبیر، عطاء مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار وغیرہ حضرت ابن عباس کا فتویٰ اس کے برعکس روایت کرتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے طاؤس کے اس تفرد پر کلام کرتے ہوئے اسے شاذ اور منکر قرار دیا ہے۔ عموماً صحابہ کا عمل اس کے برعکس (اور) نہ ائمہ اربعہ کا مشہور روایت کے مطابق اس پر عمل۔ تو کیا حدیث قلتین کی طرح یہ تمام امور اس کے شذوذ پر دال نہیں؟ مگر اس کے باوجود حافظ ابن قیمؒ اور ان کے استاذ محترم شیخ الاسلام اسی روایت پر فتویٰ دیتے رہے۔ اور اس بارے میں انہیں جن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا تاریخ کے اوراق میں وہ دلدوز داستان محفوظ ہے۔ لیکن انہیں نہ ابن عباس اور طاؤس کا تفرد اور نہ ہی اسے شاذ قرار دینے والوں کا قول متاثر کر سکا۔ آخر کیوں؟ حقیقت یہی ہے کہ کسی صحیح روایت کو اس انداز سے رد کرنے کا یہ اصول ہی درست نہیں۔"

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۹۶)

حافظ ابن تیمیہ کا "اخذ کردہ مفہوم" شیخ بن باز کی زبانی

ہم یہاں سعودی عالم شیخ ابن باز کی عبارت نقل کرنے لگے ہیں اُن کی عبارت پڑھنے سے پہلے غیر مقلد مصنف کی زبانی اُن کا مقام و مرتبہ ملاحظہ فرمالیں۔

حافظ محمد اسحاق زاہد غیر مقلد (کویت) لکھتے ہیں:

"شیخ ابن باز رحمہ اللہ جن کا مئی ۹۹ میں انتقال ہوا ہے، کسی تعارف کے محتاج نہیں، موصوف عالمِ اسلام کی معروف شخصیت تھے، علم و عمل، تقویٰ و پرہیز گاری اور بصیرت کے پہاڑ تھے، پوری زندگی دین اسلام کی خدمت میں گزار گئے۔ زندگی میں انہیں جو عزت و احترام ملا وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، انتقال فرمایا تو بیس لاکھ کے قریب افراد نے حرم مکی میں ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی، اللہ رب العزت انہیں غریق رحمت فرمائیے۔"

(اہلِ حدیث اور علمائے حرمین کا اتفاق رائے صفحہ ۴۰)

شیخ بن باز صاحب لکھتے ہیں:

"اگر وہ ایسے الفاظ استعمال کرے، جن میں تاکید کا احتمال نہ ہو مثلاً یوں کہے: طالق ثم طالق ثم طالق (تجھے طلاق ہے، پھر طلاق ہے، پھر طلاق ہے) یا انت طالق و طالق و طالق "یا" انت مطلقة انت مطلقة انت مطلقة "تو اس سے بھی پہلے الفاظ کی طرح اکثر علماء کے نزدیک تین طلاقیں ہو جائیں گی الا یہ کہ تاکید کا، یا عورت کو سمجھانے کا ارادہ ہو، لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول پسند کیا ہے کہ ان مختلف الفاظ سے بھی ایک ہی طلاق واقع ہو گی جس طرح کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحیح مسلم میں ہے... صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس سے مختلف الفاظ کے ساتھ بھی اس بات کو بیان کیا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مؤلفات میں اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ تفصیل آپ کے مجموعہِ فتاوی میں ہے جسے شیخ عبد الرحمن بن قاسم نے مرتب کیا ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری

اور تیسری طلاق نکاح یا رجعت کے بعد ہو گی، لیکن مجھے اس بارے میں کوئی واضح دلیل معلوم نہیں سوائے مذکورہ حدیث ابن عباس کے اطلاق کے، یا ایک دوسری حدیث کے جو قصہ ابورکانہ کے سلسلہ میں مروی ہے لیکن یہ دونوں حدیثیں اس موضوع کے بارے میں صریح نہیں ہیں... شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا جو مفہوم اخذ کیا ہے یہ بہت تنگ مفہوم ہے۔"

(فتاویٰ اسلامیہ: ۳/ ۳۰۵،۳۰۶)

حاصل یہ کہ الگ الگ الفاظ سے دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا مسئلہ شیخ بن باز صاحب کے بقول حدیثِ ابن عباس سے نکالنا نہ صرف یہ کہ صریح نہیں بلکہ یہ تنگ مفہوم ہے۔ مگر یاد رہے اسی تنگ مفہوم پہ پاک و ہند کے غیر مقلدین اڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ انہیں اخذ کردہ اس تنگ مفہوم پہ بڑا ناز ہے اسے وہ تمام دلائل گلہ گھونٹ وینے والی دلیل باور کرایا کرتے ہیں جیسا کہ باب... میں گذر چکا ہے۔

ہم پہلے تو یہی سنا کرتے تھے کہ غیر مقلدین کے ہاں "ایک مجلس کی تین طلاق ایک کے حکم میں ہے" مگر اب تو ان کے اس نظریہ میں وسعت آچکی ہے، اب ان کے نزدیک ایک طہر میں الگ الگ مجالس میں دی گئیں متعدد طلاقیں ایک ہی طلاق ہے۔ بلکہ اگر پہلی طلاق کے بعد رجوع نہ کیا گیا ہو تو اگلے طہر میں دی جانے والی طلاقیں بھی ان کے ہاں لغو ہوں گی۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف کی کمزوری شیخ بن باز کی زبانی

شیخ بن باز ہی لکھتے ہیں:

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ دوسری اور تیسری طلاق نکاح یا رجعت کے بعد ہی واقع ہو گی اور آپ نے اس کے کئی وجوہات بیان کئے ہیں، لیکن دلائل شرعیہ میں مجھے کسی ایسی دلیل کا علم نہیں جو اُن کے اس دوسرے قول کی تائید کر سکے، نہ ہی اس کی تائید میں صحابہ سے مروی کسی اثر کا مجھے علم ہے۔"

(فتاوی علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز صفحہ ۳۱۰، باہتمام ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، الناشر: دار الداعی للنشر والتوزیع مرکز العلامہ بن باز للدراسات الاسلامیۃ ہند)

غیر مقلدین کی کتاب میں شیخ بن باز کا فتوی منقول ہے جس میں درج ذیل عبارت بھی ہے:

”شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ دوسری اور تیسری طلاقیں نکاح یا رجعت کے بعد ہی واقع ہوں گی اور پھر اس کے انہوں نے کئی اسباب ذِکر کئے ہیں لیکن میرے علم کے مطابق آپ کے اس دوسرے قول کی ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل سے تائید نہیں ہوتی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی کا قول اس کی تائید میں نہیں ہے۔“

(طلاق قرآن وحدیث کی روشنی میں صفحہ ۲، طبع سوم جون/ ۲۰۱۱ء، ناشر: ادارہ تبلیغ اسلام جام پور)

ہم نے یہ حوالہ غیر مقلدین کے ادارہ ”محدث لائبریری“ پہ اپ ڈیٹ کی ہوئی کتاب ”طلاق قرآن وحدیث کی روشنی میں“ سے نقل کیا ہے۔

مولانا شرف الدین دہلوی کا علامہ ابن تیمیہ کو جواب

غیر مقلدین کے بیہقی وقت مولانا شرف الدین دہلوی لکھتے ہیں:

”اور امام ابو بکر محمد بن موسی بن عثمان حازمی نے کتاب الاعتبار میں اپنی سند سے نقل کر کے لکھا ہے فاستقبل الناس الطلاق جديدا من يومئذ من كان منهم طلق او لم يطلق حتى وقع الاجماع فسخ الحكم الاول ودل ظاهر الكتاب على نقيضه وجاءت السنة مفسرة للكتاب مبنية رفع الحكم الاول الخ ص ۱۸۳۔ اور خود علامہ ابن قیم نے زاد المعاد مصری ص ۲۵۴ جلد ۲ میں لکھا ہے تفسير الصحابي حجة وقال الحاكم هو عندنا مرفوع انتهى اور جب مسلم کی ابن عباس کی حدیث مذکور اجماع کے خلاف ہوئی تو خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قول سے بھی اس پر عمل نہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد دوم ص ۳۵۹ والخبر الواحد اذا خالف المشهور المستفيض كان شاذا وقد يكون منسوخا ۔انتهى وهذا كذلك فافهم وتدبر۔“ (فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۲۱۸، اسلامک پبلشنگ لاہور)

دہلوی صاحب نے شیخ ابن قیم رحمہ اللہ کو بھی جواب دیا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

صحابہ کے مقابلہ میں بعد والوں کی بات مرجوح اور ناقابلِ استدلال ہے

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”راقم الحروف نے لکھا تھا: امام شافعی اور عام اہلِ حدیث علماء کا یہی فتوی ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔“ (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱) اور یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء [آلِ غیر مقلدیت (ناقل)] کے اقوال مرجوح و ناقابل استدلال ہیں۔“

(علمی مقالات: ۴/ ۳۴۳)

ہم بھی زیر بحث مسئلہ میں علی زئی صاحب کی بات کو دہراتے ہیں، البتہ عبارت میں امام شافعی رحمہ اللہ کی بجائے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نام لکھتے ہیں:

”اس مسئلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور (بلکہ سب) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابلہ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے اقوال مرجوح و ناقابل استدلال ہیں۔“

صحابہ کے مقابلہ میں بعد والوں کی بات لینا چالاکی ہے

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر صاحب نے... یہ چالاکی کی ہے کہ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ کے اثر اور سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے ٹکرا دیا ہے، حالاں کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول و فعل کو صحابۂ کرام کے آثار سے ٹکرانا اور مقابلہ کرا دینا اُصولاً غلط ہے۔ کہاں صحابہ اور کہاں تابعین؟!“

(علمی مقالات: ۴/ ۳۴۶)

اہل خیر القرون کی مخالفت کی کیا حیثیت ہے؟

مولانا شرف الدین غیر مقلد نے فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۲۱۹ پہ لکھا کہ تین کو ایک کہنے کی رائے سات سو سال بعد شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کی۔ خیر القرون کے مقابلہ میں بعد والوں کی رائے کا کیا مقام ہے یہ آپ شیخ

زبیر علی زئی غیر مقلد کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"خیر القرون کے مقابلے میں بعد والے لوگوں کے اجتہادات مردود ہیں۔"

(ماہنامہ الحدیث، شمارہ نمبر ۹۱، صفحہ ۴۵ بحوالہ اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعت خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۸۹، طبع مکتبہ اسلامیہ)

یاد رہے کہ تین طلاقوں کو ایک کہنا بھی مولانا محمد حنیف ندوی غیر مقلد کی تصریح کے مطابق حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اجتہاد ہے جیسا کہ اوپر باحوالہ مذکور ہوا۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق بعض مصری علماء کی رائے

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"نہ معلوم مصر کے بعض علماء کو یہ واہمہ کہاں سے ہو گیا ہے کہ امام [ابن تیمیہ (ناقل)] صاحب اس مسلک میں شیعی فقہ سے متاثر ہیں۔"

(الاعتصام لاہور، اشاعتِ خاص بیاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صفحہ ۹۳۶)

یاد رہے کہ غیر مقلد مصنفین "مقلد" کو جاہل شمار کرتے ہیں، اس لئے یہاں "بعض علماء" سے مراد غیر مقلدین ہونے چاہئیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا منسوب کردہ ایک حوالہ

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف بھی یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ طلاق حیض کے قائل نہ تھے۔ [مجموع الفتاوی، ت ابن قاسم (۳۳/۸۱)] امام ابن حزم رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی یہی بات منسوب کی ہے۔ [المحلی لابن حزم، ت بیروت (۹/۳۷۵)] مگر ان دونوں کے صریح اقوال ہمیں صحیح سند کے ساتھ نہیں ملے۔"

(احکامِ طلاق صفحہ ۱۲۰، ناشر: ام القری پبلی کیشنز گوجرانوالہ، اشاعت: ۲۰۲۴ء)

علامہ ابن تیمیہ کتاب وسنت کے مطابق ہی بولتے تھے!؟

غیر مقلدین کے رسالہ "الاعتصام" میں لکھا ہے:

”امام ابن تیمیہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمہ گیر ذہانت و فطانت اور وسعت پذیر علم و فکر کی نعمتوں سے نوازا تھا، اسی طرح عمل و کردار اور شہرت و ناموری کی بھی انتہائی بلندیوں تک پہنچادیا تھا۔ وہ وہی بات زبان سے نکالتے تھے جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہوتی، اور اسی کی تعبیر و ترجمانی کو صحیح مانتے تھے جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ سلف سے منقول تھی۔“

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۳/مارچ، ۱۹۶۱ء صفحہ ۴)

یہاں یہ وضاحت کر دی جاتی کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جو مسائل غیر مقلدین کے خلاف ہیں وہ بھی کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں مثلاً

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہیے۔ اُن کی یہ بات غیر مقلدین کی کئی کتابوں میں منقول ہے یہاں تک شیخ صلاح الدین یوسف نے بھی سورہ فاتحہ کی بحث میں اسے نقل کیاہے۔ انہوں نے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۶۵/۲۳ کے حوالہ سے لکھا:

”یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلف کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہاہو، تو نہ پڑھے۔“

(تفسیری حواشی صفحہ ۲)

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہاں مطلق تقلید جائز ہے۔ جیسا کہ اسی باب میں پیچھے ہم نے باحوالہ تحریر کر دیاہے۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے سفر میں اتمام والی روایات کی بابت لکھا:

”ان احادیث کو امام ابن تیمیہ کا بغیر کسی دلیل کے باطل کہنا صحیح نہیں ہے۔“

(توضیح الاحکام: ۲۷۷/۱، اشاعت: اکتوبر/ ۲۰۰۹ء)

علی زئی کی اس عبارت کے پیش نظر علامہ ابن تیمیہ کی بابت کیا حکم ہو گا؟

مزید تفصیل کے لئے حضرت مولانا محمد ابو بکر غازی پوری رحمہ اللہ کی کتاب ”مسائل غیر مقلدین“ دیکھ لیں۔

من گھڑت روایات کی بنیاد پر الزام تراشی!!؟؟

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کا بھرپور دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ الزامات بھی لگائے ہیں، لیکن اس کی کوئی صحیح دلیل آپ نے پیش نہیں کی ہے......امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی:۷۲۸ھ) نے کہا:وامرہ اذا لم يطيعوه بعد ثلاث ان يدخلها بالسيف و يبيحها ثلاثا فصار عسكر ہ فی المدينة النبوية ثلاثا يقتلون و ينهبون و يفتضون الفروج المحرمۃ۔[مجموع الفتاویٰ(۴۱۲/۳)] یزید نے مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ اگر اہلِ مدینہ اس کی اطاعت نہ کریں تو تین دن مہلت دینے کے بعد بزور شمشیر مدینہ میں داخل ہو جانا اور تین دن تک مدینے کو حلال کرنا، چنانچہ اس کی فوج تین دن تک مدینے میں قتل وغارت کرتی رہی اور لوٹ کھسوٹ مچاتی رہی، اور عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتی رہی۔“

(یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۸۱۵،دار السنة للتحقيق والطباعة و النشر)

سنابلی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت پر یوں تبصرہ کیا:

”عرض ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔شامی فوج کے ہاتھوں بعض لوگ ضرور قتل ہوئے، لیکن انہوں نے اہلِ مدینہ کا قتلِ عام نہیں کیا تھا ......رہی یہ بات کہ یزید نے مدینے کو تین دن تک حلال کرنے کا حکم دیا تو اس تعلق سے بھی جتنی روایات ہیں، سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔اسی طرح شامی فوج کی جانب سے لوٹ کھسوٹ کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ جہاں تک شامی فوج پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے مدینے کی خواتین کی عزت لوٹی تو اس بارے میں بھی جو روایات ہیں، وہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ الغرض یزید پر الزامات سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو کچھ کہا ہے، اس کی آپ نے کوئی دلیل پیش کی ہے، نہ اس کی کوئی دلیل موجود ہے۔ اس لئے آپ کی یہ باتیں بے دلیل ہونے کی بنا پر غیر مسموع ہیں۔ یہ باتیں آپ نے بعض ایسی روایات کی بنیاد پر کہی ہیں جو موضوع ہیں اور من گھڑت ہیں اور اس طرح کی روایات کی بنیاد پر کسی کی بات بھی قبول نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ خود امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ [منہاج السنۃ النبویۃ (۱۶۱/۷)] ہی نے کہا ہے۔ ”کسی شخص

کے لئے کسی فروعی مسئلے میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک وہ اسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے ان اصولی مسائل میں، جن سے خیر القرون، جمہور مسلمانوں اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیاء (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطور حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق نامعلوم ہو۔"

(یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۸۱۶، دار السنة للتحقیق والطباعة و النشر)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بابت ابن تیمیہ کی عبارت

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بعض غیر ثابت روایات کی بنیاد پر علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کچھ اسی طرح کی باتیں کہیں ہیں، مثلاً ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا: "وقد علم قدح كثير من الصحابة فى على۔" یہ بات معلوم ہے کہ بہت سارے صحابہ نے علی رضی اللہ عنہ پر قدح کی ہے۔" [منهاج السنة النبوية (۷/۱۴۷)] نیز ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے کہا: " ان الله قد اخبر انه سيجعل للذين آمنوا و عملوا الصالحات ودا، و هذا وعد منه صادق، ومعلوم ان الله قد جعل للصحابة مودة فى كل مسلم، لا سيما الخلفاء رضى الله عنهم لا سيما ابو بكر و عمر، فان عامة الصحابة والتابعين كانوا يودونها، وكانوا خير القرون، ولم يكن كذلك على، فان كثيرا من الصحابة والتابعين كانوا يبغضونه ويسبونه ويقاتلونه.[الامامة فى ضوء الكتاب والسنة (۱/۹۴)] اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے محبت پیدا کرے گا اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے تعلق سے ہر مسلمان کے دل میں محبت پیدا کی ہے، بالخصوص خلفائے راشدین اور ان میں بھی بالخصوص ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہم۔ کیوں کہ تمام صحابہ ان دونوں سے محبت کرتے اور یہ

لوگ خیر القرون کے تھے، لیکن علی رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ نہ تھا، کیوں کہ بہت سارے صحابہ و تابعین علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے، انہیں بُرا کہتے تھے اور ان سے قتال کرتے تھے۔"

(یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۸۱۷، دارالسنة للتحقیق والطباعة و النشر)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کردار، علامہ ابن تیمیہ کی زبانی

سنابلی صاحب نے آگے لکھا:

"نیز خود ایک جگہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کردار کے متعلق لکھتے ہیں:" فلعن علی و اصحابہ فی قنوت الصلوة رجالا معین من اھل الشام۔[مجموع الفتاوی(۴/۴۸۵)] علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قنوتِ نازلہ میں اہلِ شام کے مخصوص افراد پر لعنت کی۔" ان مخصوص افراد سے کوئی عام لوگ مراد ہیں نہیں، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگ مراد ہیں، جیسا کہ خود ایک دوسرے مقام پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"واما ماذکرہ من لعن علی فان التلاعن وقع من الطائفتین کما وقعت المحاربة ، وکان ھؤلاء یلعنون روؤ س ھؤلاء فی دعائھم ، وھؤلاء یلعنون روؤس ھؤلاء فی دعائھم۔"[منھاج السنة النبویة (۴/۴۶۸)] رافضی نے جو علی رضی اللہ عنہ کے لعنت کرنے کی بات جو ذِکر کی ہے تو لعنت کرنے کا یہ کام دونوں گروہوں کی جانب سے صادر ہوا، جیسا کہ لڑائی کا عمل دونوں گروہوں کی طرف سے ہوا ہے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کا گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگوں پر لعنت کرتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگوں پر لعنت کرتا تھا۔" عرض ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے متعلق اس طرح کی باتیں بھی بعض غیر ثابت روایات ہی کی بنیاد پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے صادر ہوئی ہیں اور یہی معاملہ یزید کے ساتھ بھی ہوا۔ لہذا بے دلیل اور غیر ثابت روایات کی بنیاد پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کوئی بات نہ تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق قابلِ قبول ہے، اور نہ یزید بن معاویہ سے متعلق۔"

(یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۸۱۸،۸۱۷)

جہنم کے فنا ہو جانے کا عقیدہ

غیر مقلدین کے امام علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

”امام ابن تیمیہ ...اس امر کے قائل ہیں کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں ہے، گو مدت درازتک قائم رہے گا...دلیلِ عقلی بھی اسی کو متقاضی ہے کس لئے کہ چند روزہ دنیاوی زندگی کے قصوروں پر دائمی عذاب کرنا اور عذاب بھی ایسے سخت اور ہولناک پروردگار کے رحم و کرم سے بعید معلوم ہوتا ہے۔“

(تیسیر الباری شرح بخاری:۶/۲۳۶، تاج کمپنی)

اس عبارت سے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک دوزخ بالآخر فنا ہو جائے گی۔ اور شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے تصریح کی ہے کہ دوزخ کے فنا ہو جانے کا نظریہ اہلِ بدعت کا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”اس مسئلے پر تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: رفع الاستار لابطال ادلة القائلين بفناء النار (تصنیف: محمد بن اسماعیل الصنعانی و تحقیق محمد ناصر الدین الالبانی رحمہا اللہ) یہ بہت مفید کتاب ہے۔ بعض اہلِ بدعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم آخر کار فنا ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ باطل ہے۔“

(حاشیہ شرح حدیث جبریل، تالیف: الشیخ عبد المحسن العباد ،ترجمہ و تحقیق حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۹۳، مکتبہ اسلامیہ، اشاعت: ستمبر/۲۰۰۸ء)

حافظ ابن تیمیہ کے صدقے امام ابو حنیفہ پہ وارد اعتراضات رفع ہو گئے

بریلوی مصنف نے تحریر کیا: علماء فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

اس کے جواب میں مولانا داود ارشد غیر مقلد نے لکھا:

”امام ابن تیمیہؒ کو گمراہ و بے دین کہنے والے خود جاہل اور دینی علوم سے کورے چٹے ہیں جو ایک مومن و موحد کی تکفیر کر کے بموجب فرمان نبوی مکفر کی طرف کفر لوٹ گیا ہے، حنفی علماء

سے معذرت سے عرض ہے کہ معاصرانہ چشمک سے کون محفوظ رہا ہے اگر اعتبار نہ ہو تو تاریخ بغداد کی جلد ۱۳، میں امام ابو حنیفہؒ کے متعلق ان کے معاصرین کی آراء کو پڑھ لیجئے گا۔"

(دین الحق: ۲/۱۹۷، مکتبہ غزنویہ لاہور، تاریخ اشاعت: دسمبر ۲۰۰۱ء)

تاریخ بغداد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر وارد الزامات کو داود ارشد صاحب نے معاصرانہ چشمک کا نام دے کر تاثر دیا کہ جس طرح اُن اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں، اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر وارد کئے گئے علماء کے اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیجئے! مسئلہ تین طلاق کے ضمن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب اعتراضات رفع ہو گئے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "شیخِ طریقت" تھے

تفضیل احمد ضیغم غیر مقلد نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

"وہ صرف شیخ طریقت اور عالم متبحر نہ ہی تھے بلکہ مجاہد بھی تھے۔"

(گرون نہ جھکی جن کی ظلم کے آگے صفحہ ۱۲۱)

شوکانی نے علامہ ابن تیمیہ سے فیض پایا!!؟؟

پروفیسر زاہد حسین مرزا نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھا:

"ابن قیم رحمہ اللہ جیسے عالم و امام شوکانی رحمہ اللہ، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور ذہبی رحمہ اللہ جیسے سینکڑوں علماء و مؤرخین نے امام رحمہ اللہ سے فیض پایا۔"

(اُٹھتے ہیں حجاب آخر صفحہ ۱۷، ناشر: مرکز دعوۃ التوحید اسلام آباد پاکستان، اشاعت دوم)

تاریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ شوکانی صاحب حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے طویل عرصہ بعد کے ہیں۔

کچھ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ بھی ہیں مگر وہ نواب صدیق حسن خان اور مولانا شرف الدین دہلوی کی تصریح کے مطابق مسئلہ تین طلاق میں ان کے شدید مخالف تھے۔

(التاج المکلل صفحہ ۲۸۸۔ فتاویٰ ثنائیہ: ۲/۲۲۰)

جیسا کہ ”باب:۵، سلف صالحین کا مسلک“ میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

البتہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اس مسئلہ میں اپنے استاد کے حامی رہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تذکرہ آیا ہے تو اس مسئلہ میں ان کے حامی شاگرد حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق بھی کچھ باتیں عرض کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ حنبلی المسلک ہیں

مولانا محمد ابو القاسم بنارسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حافظ ابن قیم حنبلی المتوفی ۷۵۱ھ۔“

(فتاوی ثنائیہ: ۱/۵۴۸، اسلامک پبلشنگ شیش محل روڈ لاہور)

مولانا ابو زکی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم بھی مسلک کے لحاظ سے حنبلی تھے۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی بھی حنبلی تھے۔ حنبلی مسلک کے پیروکار سعودی عرب میں موجود ہیں اور سعودی حکومت کا سرکاری مذہب بھی حنبلی ہے۔“

(فقہی مسلک کی حقیقت صفحہ ۷۲)

ایک صاحب نے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

”مسلک حنبلی پر عامل تھے...... آپ ابن قیم جوزیہ کے نام سے مشہور ہیں۔“

(طبِ نبوی مترجم، حالات حافظ ابن قیم صفحہ ۷، ترجمہ: حکیم عزیز الرحمن اعظمی، تصحیح و تقدیم: مختار احمد ندوی، ناشر: مکتبہ محمدیہ اردو بازار لاہور)

حافظ ابن قیمؒ کے نزدیک تقلید کرنے کی گنجائش ہے

شیخ عبد العزیز بن باز (سعودی عرب) لکھتے ہیں:

”زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بوقت ضرورت اس شخص کی تقلید کی گنجائش ہے جو علم و فضل اور استقامت عقیدہ میں معروف ہو جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں بیان کیا ہے۔“

(مقالات و فتاویٰ صفحہ ۱۴۵)

حافظ ابن قیم کے ہاں تقلید کی مناسب ترین صورت

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اگر مقلد قرآن، حدیث کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ تقلید کی قابلِ برداشت اور مناسب ترین صورت ہے میاں [نذیر حسین دہلوی (ناقل)] صاحب اور حافظ ابن قیم نے اسے گوارہ فرمایا ہے۔“

(تحریک آزادیٔ فکر صفحہ ۹۶۴)

حافظ ابن قیمؒ کے نزدیک تقلید کارِ ثواب ہے

اوپر ملاحظہ فرما چکے کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ حنبلی ہیں، ان کے نزدیک تقلید کرنے کی گنجائش ہے، تقلید قابلِ برداشت چیز ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک تقلید نہ صرف گنجائش اور برداشت کے درجہ کی چیز ہے بلکہ یہ کارِ ثواب ہے۔

چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ خود ہی لکھتے ہیں:

”وَاَمَّا تَقْلِیْدُ مَنْ بَذَلَ جُهْدَهٗ فِیْ اِتِّبَاعِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَخَفِیَ عَلَیْهِ بَعْضُهٗ فَقَلَّدَ فِیْهِ مَنْ هُوَ اَعْلَمُ مِنْهُ فَهٰذَا مَحْمُوْدٌ غَیْرُ مَذْمُوْمٍ وَمَاْجُوْرٌ غَیْرُ مَاْزُوْرٍ۔

(اعلام الموقعین: ۲/۱۸۸)

بہر حال جو شخص اللہ کے نازل کردہ کی اتباع میں کوشش خرچ کرتا ہے اور اس پر کچھ چیزیں مخفی رہ جائیں ان میں وہ اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کرتا ہے تو ایسا شخص قابلِ تعریف ہے، نہ کہ قابل مذمت۔ اسے اجر دیا جائے گا، نہ کہ گناہ ہو گا۔

حافظ ابن قیم صوفی بزرگ ہیں

ایک صاحب نے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

”امام صاحب رحمہ اللہ کو تصوف میں بھی بڑا اِدراک تھا چنانچہ اس موضوع پر انہوں نے مدارج السالکین الی منازل ایاک نعبد وایاک نستعین لکھی، اس کتاب میں علمِ حقیقت اور علم شریعت کے اسرار و حکم بیان کئے۔“

(طبِ نبوی مترجم، حالات حافظ ابن قیم صفحہ ۸، ترجمہ: حکیم عزیز الرحمن اعظمی، تصحیح و تقدیم: مختار احمد ندوی، ناشر: مکتبہ محمدیہ اردو بازار لاہور)

حافظ ابن قیم کا ہو بہو اپنے استاد کی پیروی کرنا

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے اپنے بزرگ قاضی شوکانی غیر مقلد سے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے متعلق نقل کیا:

"وَغَلَبَ عَلَيْهِ حُبُّ ابْنِ تَيْمِيَّةَ حَتّٰى كَانَ لَا يَخْرُجُ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ أَقْوَالِهٖ بَلْ يَنْتَصِرُ لَهٗ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ"

(التاج المکلل صفحہ ۴۱۸ بحوالہ غیر مقلدین کی ڈائری صفحہ ۲۱۱)

ترجمہ: ان پر ابن تیمیہ کی محبت کا ایسا غلبہ تھا کہ وہ ان کے کسی قول سے باہر نہیں ہوتے تھے، بلکہ ہر ہر بات میں وہ ان کی حمایت ہی کرتے تھے۔

علامہ عبد الرشید عراقی غیر مقلد نے ان کے بارے میں لکھا:

"آپ نے تمام عمر کسی مسئلہ میں بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے اختلاف نہیں کیا۔"

(کاروانِ حدیث صفحہ ۳۰۸)

غیر مقلدین یہاں اپنا تجزیہ پیش کریں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ طرز عمل تقلید ہے یا اجتہاد؟ اگر تقلید ہے تو وہ سب سے بڑے مقلد ثابت ہوں گے کہ کسی ایک مسئلہ میں بھی اپنے مقتدا و استاد سے خروج نہیں کیا اور اگر ان کے عمل کو اجتہاد کا نام دیں تو سوال ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں کوئی ایک مجتہد ایسا بتادیں جس کے سارے اجتہادی مسائل کسی دوسرے امام کے موافق ہوں، کیا ایسی کوئی ایک مثال پائی جاتی ہے؟

غیر مقلدین حافظ ابن قیم کی پیروی میں

غیر مقلدین جس طرح علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں، اسی طرح حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی پیروی بھی کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ مولانا عبد الرووف سندھو غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن القیم کے کلام پر اعتماد کرتے ہوئے "فتاویٰ علمائے حدیث" (۱/۵۳، ۵۲) میں

بھی اس حدیث کو ضعیف بتلایا گیا ہے۔ مگر مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف نہیں، بلکہ صحیح ہے۔“

(القول المقبول صفحہ ۱۵۹)

مولانا شرف الدین دہلوی کا شیخ ابن قیم کو جواب

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اور سنن ابی داود کی نسخ کی حدیث کی سند میں راوی علی بن حسین اور حسین بن واقد پر جو علامہ ابن قیم نے اعتراض یا کلام کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن حسین کو تقریب التہذیب میں صدوق یھم لکھاہے، وہم کے باعث ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی ہے، مگر امام نسائی جو بڑے متشدد ہیں انہوں نے اور دوسرے محدثین نے کہاہے لیس بہ باس اور وہم سے کون بشر خالی ہے، لہذا یہ کوئی جرح نہیں، راوی معتبر ہے خصوصاً جب کہ محدثین مذکورنے حدیث کو صحیح تسلیم کیا، اور حسین بن واقد کو تقریب میں ثقة له اوھام لکھاہے، اور یہ راوی رواۃ مسلم سے ہے، اور یحی بن معین وغیرہ محدثین نے اس کو ثقہ بتایاہے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال۔ باقی رجال دونوں کے ثقات ہیں، لہذا یہ حدیث حسن صحیح ہے، قابل عمل وحجت ہے، اور خود راوی ہی ابن عباسؓ کا فتوی بھی اس کی صحت کا مؤید ہے، ملاحظہ، ملاحظہ مؤطا امام مالک وغیرہ۔“

(فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۲۱۸، اسلامک پبلشنگ لاہور)

طلاق الحائض کے عدم وقوع میں خلافِ نص قیاس

مولانا مبشر احمد ربانی غیر مقلد نے متعدد احادیث درج کر کے ثابت کیا کہ اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں طلاق دے تو وہ باوجود ممنوع ہونے کے واقع ہو جاتی ہے۔ اس جگہ انہوں نے درج ذیل عبارت بھی لکھی:

”بعض لوگوں نے یہاں قیاس سے کام لیاہے جیساکہ ابن قیم وغیرہ ہیں لیکن نص کے مقابلے میں قیاس فاسد الاعتبار ہے ملاحظہ ہو (فتح الباری ۹/ ۳۵۵)“

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۷۵)

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے بھی قیاس کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

”عورت عدت میں ہو تو اس سے نکاح حرام اور ناجائز ہے، اور اگر کسی نے اس دَوران میں ایسی عورت سے نکاح کر لیا تو اس کا نکاح باطل ہوتا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ایسے ہی حالتِ حیض میں بھی عورت کو طلاق دینا حرام ہے، اس لئے اگر کسی نے اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیا تو اس کی طلاق باطل ہو گی، اس کا کوئی اعتبار نہ ہو گا۔“

(احکامِ طلاق صفحہ ۲۳۷، ناشر: ام القری پبلی کیشنز گوجرانوالہ، اشاعت: ۲۰۲۴ء)

مولانا مبشر احمد ربانی غیر مقلد کی تصریح کے مطابق یہ قیاس خلافِ نص ہونے کی وجہ سے فاسد الاعتبار ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب عوام کے لئے خطرہ ہے!!!

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حافظ سیوطیؒ نے تو حاطبِ لیل کی طرح ایک غیر موثق ذخیرہ جمع فرمادیا ہے جس سے حضرات قبوریین کو مدد ملے گی اور سادہ دل توحید کے شبہات سے لبریز ہوں گے ... قریبا یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے۔ فحول اہلِ حدیث اور ماہرین رجال کو تو کوئی خطرہ نہیں لیکن عوام کے لیے یہ مورد مزلہ اقدام ہے۔“

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۷)

سلفی صاحب نے اس جگہ دو باتیں کہی ہیں:

(۱) ”یہی حال حافظ ابن القیم کی کتاب الروح کا ہے۔“ مطلب جیسا حال علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب کا ہے ویسا اس کا ہے اور سیوطی کی کتاب کا حال بقول سلفی صاحب یہ ہے کہ اس سے قبر پرستوں کو مدد ملے گی اور سادہ دل توحید کے متعلق شبہات سے بھر جائیں گے۔

(۲) ”عوام کے لیے یہ مورد مزلہ اقدام ہے۔“ یعنی حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ”کتاب الروح“ سے عوام کے قدم پھسلنے کا یعنی ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔

بعض غیر مقلدین جب ”کتاب الروح“ کے مندرجات کو اپنے خلاف پاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ”کتاب الروح“ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب نہیں۔ جب کہ سلفی صاحب کے مذکورہ حوالہ میں اعتراف ہے کہ یہ ان کی ہی کتاب ہے۔ مزید درج ذیل حوالہ ملاحظہ ہو۔

غیر مقلدین کے ہفت روزہ رسالہ ''الاعتصام'' میں ''کتاب الروح'' کے متعلق لکھا ہے:

''ہماری پیش کردہ کتاب کا موضوع بھی روح اور نفس ہی ہے۔ یہ دنیا اسلام کے مشہور و معروف محقق و فلاسفر علامہ حافظ ابن قیم کی مایہ ناز تصنیف ہے جو انہوں نے برس ہا برس کی محنت اور گہرے مطالعہ کے بعد پیش کی ہے۔''

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۳/ اگست ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۱)

غیر مقلدین کی شائع کردہ کتاب میں ''میت کا سلام سننا اور زیارت کرنے والے کو پہنچاننا'' کے متعلق لکھا ہے:

''اس مسئلہ کو علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب (الروح) کے شروع میں بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ میت اپنے خاص زیارت کرنے والے کو جانتے اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ مسئلہ کے اثبات کے لئے درج ذیل دلائل آپ نے پیش کیئے ہیں۔''

(برزخی زندگی اور قبر کے عذاب اور آرام کے مسائل صفحہ ۶۰، تالیف: شیخ خالد بن عبد الرحمن، ترجمہ محمد عرفان محمد عمر مدنی، شائع کردہ اسلامک دعوت سنٹر)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ابن القیم کی ثابت شدہ ''کتاب الروح'' اور دیگر کتابوں میں ضعیف و مردود روایات ضرور موجود ہیں۔''

(توضیح الاحکام: ۱/ ۱۱۹، اشاعت: اکتوبر/ ۲۰۰۹ء)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علی زئی کے نزدیک بھی ''کتاب الروح'' حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

مولانا ارشد کمال غیر مقلد نے ابن حزم ظاہری کی جرح کی بابت لکھا:

''امام ابن قیم رحمۃ اللہ نے کتاب الروح میں ان کا خوب تعاقب کیا۔''

(المسند فی عذاب القبر صفحہ ۵۲، مکتبہ اسلامیہ، اشاعت: فروری/ ۲۰۰۹ء)

کتاب الروح کے مندرجات کتاب وسنت کے خلاف ہیں کیلانی کا دعوی

اوپر مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد کا بیان مذکور ہو چکا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "کتاب الروح" عوام کے لئے خطرہ ہے۔ اَب اسی کتاب پہ دوسرے غیر مقلد مصنف مولانا عبد الرحمن کیلانی کا تبصرہ پڑھئے! وہ لکھتے ہیں:

> "جناب محمد احسان الحق صاحب نے یہ سوال بھی...... کیا تھا کہ "کتاب الروح" (ابن القیم) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ امام ابن قیم اور اور اُن کے استاد جناب امام ابن تیمیہؒ دونوں بزرگ نہ صرف یہ سماع موتیٰ کے قائل تھے بلکہ اسی طبقہ صوفیاء سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے اس مسئلہ کو اُچھالا اور ضعیف اور موضوع اور موضوع احادیث کا سہارا لے کر اس مسئلہ کو علی الاطلاق ثابت کرنا چاہا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیم دونوں صاحبِ کشف وکرامات بھی تھے۔ اور دونوں بزرگوں نے تصوف وسلوک پر مستقل کتابیں بھی لکھیں ہیں۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اگر اس طبقہ کے سچے سے قبر اور سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کو کھینچ لیا جائے تو اُن کے پاس باقی رہ کیا جاتا ہے؟ اسی طرح کے ایک تیسرے بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ یہ تینوں بزرگ جب شرک وبدعات کی تردید میں پر قلم اُٹھاتے ہیں، تو جی عش عش کر اُٹھتا ہے۔ اَور ہم دل وجان سے اُن کی دینی خدمات کے معترف ہو جاتے ہیں، لیکن جب یہ زیارتِ قبور کے آداب اور کشف کے طریق بتلاتے ہیں تو نہیں سوچتے کہ آیا قبروں اور مزارات کے وجود کا بھی کوئی جواز ہے یا نہیں۔ اس غرض سے بیٹھنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ مُردوں کو سنانا اور اُن سے سننا تو دُور کی باتیں ہیں۔ ان سب باتوں کی کتاب وسنت نے پُر زور تردید کر دی ہے۔"

(روح، عذابِ قبر اور سماعِ موتی صفحہ ۵۶،۵۵، ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ: ۲۰ وسن پورہ لاہور، اشاعت چہارم: مارچ ۲۰۰۵ء)

حافظ ابن قیم کا معیارِ تحقیق، کتاب الروح پہ تبصرہ

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد "کتاب الروح اور سماع موتیٰ" عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''اس کتاب کا آغاز سماعِ موتی پر بحث سے ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی کوئی آیت درج نہیں۔ آغازِ کتاب ابن عبد البر کی اس روایت سے ہوتا ہے جسے ہم نے موضوع حدیث نمبر ۲ کے تحت درج کیا۔ اس کے بعد قلیب بدر والی حدیث درج ضرور ہے، لیکن اس پر حضرت قتادہ یا حضرت عائشہؓ کا تبصرہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعد اَزاں ''السلام علیکم دار قوم مؤمنین'' کی روایت درج ہے۔ اور پھر ابن ابی الدنیا کی روایات مذکور ہیں جس کے متعلق کتاب الروح کے مترجم محمد داود راغب رحمانی پہلے ہی مطلع کر چکے ہیں کہ ابن ابی الدنیا کی روایتیں بلا تحقیق کے ناقابل قبول ہیں۔'' یہ پانچ روایات درج کرنے کے بعد بزرگوں کے اقوال اور خوابوں کے واقعات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے آپ خود ہی اندازہ فرمالیجئے کہ کتاب وسنت کے معیار پر یہ کس قدر تحقیقی کتاب کہلائے جانے کی مستحق ہے۔''

(روح، عذابِ قبر اور سماعِ موتی صفحہ ۵۷، ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ: ۲۰ وسن پورہ لاہور، اشاعت چہارم: مارچ ۲۰۰۵ء)

حافظ ابن قیم کی کتاب ''جلاء الافہام'' میں منکر، مردود اور من گھڑت روایات!؟

قارئین کرام! مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا عبد الرحم کیلانی نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی ''کتاب الروح'' کی بابت اپنا جو خیال ظاہر کیا، اسے آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے۔ اَب ان کی کتاب ''جلاء الافہام'' کے متعلق غیر مقلدین کے ''محدث العصر'' شیخ زبیر علی زئی کا تاثر ملاحظہ فرمائیں۔ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''درود وسلام کے سلسلے میں اور بھی بہت سی ضعیف، منکر، مردود اور موضوع روایات ہیں مثلاً دیکھئے... محمد الیاس قادری بریلوی کی کتاب: فیضانِ سنت (۲۱۱...) محمد سعید احمد اسعد بریلوی کے والد محمد امین بریلوی کی کتاب: آبِ کوثر.... اور حافظ ابن القیم کی کتاب: جلاء الافہام وغیرھا۔''

(فضائل درود وسلام صفحہ ۲۳، مکتبہ اسلامیہ، تاریخ اشاعت: فروری ۲۰۱۰ء)

علی زئی صاحب کی مذکورہ عبارت صغریٰ ہے۔ اور کبریٰ اُن کی درج ذیل عبارت ہے:

''کذاب ووضاع کی روایت کو بطورِ حجت پیش کر کے...... علمی و تحقیقی اور فنی کمالات کا

مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کذب بیانی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔"

(توضیح الاحکام: ۲/ ۳۷۹)

علی زئی کی درج ذیل عبارت بھی پڑھئے:

"کذاب و وضاع کی روایت سے بایں شان و شوکت استدلال اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا مقصد صرف عوام المسلمین کو دھوکا دینا ہے۔"

(القول المتین صفحہ ۵۴، مکتبۃ الحدیث حضرو اٹک، سن اشاعت: جنوری/ ۲۰۰۴ء)

غیر مقلدین ہی بتائیں کہ علی زئی صاحب کی عبارتوں سے بالفاظ دیگر ان کا بیان کردہ صغریٰ و کبریٰ ملا کر کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

علامہ ابن قیم کا ان سے روکنا سینہ زوری ہے

علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

"وکذلک لا باس بتتبع الرخص ...واختیار قول اهل المدینة فی الغناء واختیار قول اهل الکوفة فی النبیذواختیار قول اهل مکة فی المتعة اذاجتهد وعرف ان الحق معهم او قلد احدامنهم و منع الشیخ ابن القیم عنه تحکم بحت لا دلیل علیه۔"

(هدیة المهدی : ۱/ ۱۱۲)

اور اسی طرح رخصتیں (سہولیات) تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں یعنی گانے کے جواز میں اہل مدنیہ کا قول اختیار کرنے میں، نبیذ میں اہل کوفہ کا قول اختیار کرنے میں اور متعہ کے جواز میں اہل مکہ کا قول اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ اجتہاد کرے اور جان لے کہ حق ان کے ساتھ ہے یا ان میں سے کسی کی تقلید کرلے اور شیخ ابن قیم کا اس سے منع کرنا محض سینہ زوری ہے اس کے منع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔"

حافظ ابن قیم کا صحیح مسلم کی حدیث پہ بے بنیاد اعتراض

شیخ ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”انتہائی تعجب کی بات ہے کہ علامہ ابن قیم نے جلا الافہام ص ۱۴۱ میں اسی روایت پر بحث کے دَوران میں فرمایا کہ عکرمہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے ممکن ہے انہوں نے اس میں تدلیس کی ہو کیوں کہ مسلم میں یہ روایت معنعن ہے۔ رواہ عن عباس بن عبد العظیم عن النضر بن محمد عن عکرمة بن عمار عن ابی زمیل عن ابن عباس ھکذا معنعنا حالاں کہ امر واقعہ یہ ہے کہ صحیح مسلم جلد ۲، ص، ۳۰۳، ۳۰۴میں مکمل سند یوں ہے: عباس بن عبد العزیز العنبری واحمد بن جعفر المعقری قالا نا النضر بن محمد الیمامی نا عکرمہ نا ابو زمیل حدثنی ابن عباس، بتلائیے عنعنہ اور تدلیس کہاں ہے۔ البتہ خود انہوں نے المعجم الکبیر کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی وہاں ” عکرمة بن عمار حدثنا ابو زمیل “کے الفاظ سے اسے بیان کیا گویا تحدیث کا ذِکر طبرانی میں ہے، مسلم میں نہیں۔ حالاں کہ تحدیث و سماع کا ذِکر مسلم میں بھی ہے اور تدلیس کا اعتراض بے بنیاد ہے۔“

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۷۸، سن اشاعت: ۲۰۰۷ء، ناشر: ادارۃ العلوم الاسلامیہ منٹگمری بازار فیصل آباد)

حافظ ابن قیم کا حق شاگردی نبھانا

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ”تاریخ طلاق ثلاثہ“ میں آٹھویں صدی کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

”ابن تیمیہ کے اس تفرد میں ان کے کسی شاگرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے شاگرد ذہبی نے بھی سخت مخالفت کی۔ اور امام فرید عصر حافظ ذوالفنون شمس الدین احمد بن عبد الہادی نے ان کا قاہر رد لکھا۔ البتہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم نے ان کی حمایت کا دم بھرا اور چار جلدوں میں ایک کتاب ”اعلام الموقعین“ لکھ ڈالی۔ لیکن وہ اپنے استاد کی حمایت میں بالکل ناکام رہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کو جو سزائیں ملیں اس کی بنیاد وہ محضر نامہ تھا جو علماء کے دستخطوں کے ساتھ ان کے خلاف لکھا گیا۔ عربی میں دستخط کو توقیع کہتے ہیں۔ اس محضر نامہ کے

رَد میں جو کتاب لکھی اس کا نام اعلام الموقعین رکھا کہ دستخط کرنے والوں کو خبر دار کرنا۔ اس میں امام احمد بن حنبلؒ سے یہ تو نقل فرمایا کہ جو چار پانچ لاکھ احادیث کا حافظ نہ ہو اسے اجتہاد کرنے اور فتوی دینے کا حق نہیں۔ گویا اس کا راستہ تو تقلید ہی ہے۔ ہاں جو ابن تیمیہ جیسا متبحر فی المذہب ہو، اس کو اپنے امام سے اختلاف کا حق ہے۔ مگر ابن قیم یہاں موضوع سے ہٹ گئے۔ انہیں ثابت تو یہ کرنا تھا کہ کیا ایسا شخص خرق اجماع کا حق رکھتا ہے اور ایسے شخص کو چاروں مذاہب چھوڑ کر روافض کی اتباع جائز ہے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں وہ سو فیصد ناکام رہے۔ ابن قیم نے اس کتاب میں اجماع پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں سابقہ مجتہدین میں ان مذاہب کو مدار مانا جاتا ہے جن کے مذاہب تواتر اور یقین سے ثابت ہوں۔ اگر کسی مجتہد سے کوئی شاذ قول منقول ہے تو شاذ قراءتوں کی طرح وہ تواتر اور اجماع سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ ابن قیم نے ایسے شواذ کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اور روافض کی حمایت میں کسی اہلِ سنت مجتہد کا کوئی شاذ قول بھی پیش نہ کر سکے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن دقیق العید قشیری (۷۰۲ھ) شیخ الاسلام محی الدین نووی (۶۷۶ھ) وہ اس صدی کے تمام فقہاء اور محدثین، صحابہ کرام کے اجماع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق پر ہی مضبوطی سے قائم رہے۔“

(تجلیات صفدر: ۴/ ۵۸۴، ۵۸۵)

(جاری)

مفتی محمد افضال صاحب حفظہ اللہ، نظر ثانی واضافات مفتی محمد زبیر الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ (قسط:۳)

بولتے حقائق

اہل سنت کس قسم کا تعلق مانتے ہیں

امام اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ظاہر امر ہے کہ اگرچہ روح کا بدن سے تدبیر وتغذیہ ویہیہ والا تعلق نہیں لیکن ادراک اور شعور والا تعلق تو ہے اور اسی کا نام حیات ہے اور جب ادراک اور شعور ہے تو سماع کیوں نہیں"

(الشہاب المبین۔ ص:۱۱۳، ط:صفدریہ)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں

"اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علماء کرام جہاں دنیا کی زندگی کی نفی کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کہ دنیاوی کھانے پینے کی وہاں حاجت نہیں ہوتی نہ یہ کہ روح کا جسم سے تعلق اور اتصال اور اسکی وجہ سے ادراک اور شعور اور قوت سماع نہیں ہوتی کیونکہ یہ امور تو بہر حال ثابت ہیں اور ان کا انکار نرا مکابرہ اور سینہ زوری ہے"

(تسکین الصدور۔ ص:۲۷۱، ط:صفدریہ)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرات انبیاء کرام زندہ ہیں اپنی قبروں میں، اور نماز پڑھتے ہیں یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں انکی قبور والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں"

(انوار انوری۔ ص:۱۲۱)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قبر میں حشر تک نماز روزہ اور سجدہ کا ساتھ ہے اور مقبور حج بھی کرتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں"

(ملفوظات محدث کشمیریؒ۔ ص:۲۶۳، ط: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

زیادہ تفصیل مقصود نہیں ان سب امور پر اہل حق علماء کی تفصیلی کتب موجود ہیں، تسکین الصدور، مقام حیات وغیرہ میں دیکھ لیں۔

اشاعتی حضرات کا عقیدہ مختلف طرح سامنے آتا ہے کبھی تو صاف تعلق کا انکار کرتے ہیں، کبھی نوع من الحیاۃ کا اقرار کرتے ہیں کبھی تعلق تصرف کی نفی کرتے ہیں یہ سب کچھ اپنے سے اہل سنت سے خروج کے فتوی کو دور کرنے کیلئے ہے تاکہ اکابر کی عبارات سے اپنا مطلب نکال سکیں ورنہ انکی کتب سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ اس جسم عنصری کے عذاب وثواب کے قائل نہیں اور نہ ہی اس قبر میں عذاب وثواب کے قائل ہیں اور نہ ہی وہ میت کے سماع کے قائل ہیں۔

اشاعتی حضرات اور قبر

اشاعتی حضرات زمینی قبر کو قبر نہیں مانتے اور اس پر مستقل کتب لکھی ہیں اشاعتی حضرات کے معتمد عالم نیلوی صاحب نے مستقل کتاب لکھی ہے "القول المرعی فی القبر الشرعی "۔

علامہ نیلوی اور قبر

نیلوی صاحب اس زمینی قبر کو قبر نہیں کہتے اور نہ اس میں کسی قسم کے عذاب وثواب کے قائل ہیں اور نہ اس قبر میں دفن جسم کے عذاب کے قائل

ہیں، چنانچہ انکی عبارات ملاحظہ ہو:

عرفی قبر کے استعمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور اس قبر کا لفظ استعمال اس وقت ہوتا ہے جب اسکے مامور ومحکوم اہل دنیا ہو"

(مجموعہ رسائل نیلوی۔ ۲/ ۱۱۱، ط: اشاعت العلوم)

پھر لکھتے ہیں:

"اور قبر کا معنی عالم برزخ اس وقت ہوتا ہے جب ایسے امور کا ذکر ہو جنکا تعلق عالم دنیا سے انتقال کر جانے والے انسان کی روح کے ساتھ پیش آنے والے معاملات سے ہو مثلاً قبر میں فرشتوں کا آنا"

(مجموعہ رسائل نیلوی۔ ۲/۱۱۵، ط: اشاعت العلوم)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہوا کہ قران مجید اور ارشادات نبویہ کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، تابعین، تبع تابعین سلف وخلف سے تمام علمائے متقدمین ومتاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصطلاح شریعت میں قبر سے مراد عالم برزخ ہوتا ہے خصوصا جب عذاب وثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو اور حقیقت شناس علماء میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس گڑھے کو بھی برزخ کہا جاتا ہے جس میں جسد عنصری کو دفن کیا جاتا ہے"

(مجموعہ رسائل نیلوی۔ ۲/۱۰۸، ط: اشاعت العلوم)

نداء حق میں ہے:

"ان گڑھوں میں عذاب وثواب ہونے کا کہیں بھی قران پاک میں ذکر نہیں و من ادعى فعليه البيان-

(۱/۲۱۴، ط: اشاعت اسلام)

اس میں یہ بھی ہے:

"ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصل جزا وسزا مرنے کے بعد جسد عنصری کو نہیں ہوتا جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے"

(۱/۳۴۱، ط: اشاعت اسلام)

اس میں یہ بھی ہے:

" قبر عرفی میں تنعیم وتعذیب کی التزاما تردید ہوگئی وهذا هو الحق وبه يقول اهل الحق وبه ناخذ والحمد لله رب العلمين"۔

(۱/۳۶۱، ط: اشاعت اسلام)

اس میں یہ بھی ہے:

"جیسے وہاں کی زندگی بغیر جسد عنصری کے تھی ایسے ہی عالم برزخ کی زندگی بغیر جسد

عنصری کے ہوتی ہے"

(۲۰/ا،ط:اشاعت اسلام)

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ نیلوی صاحب اس قبر میں عذاب وثواب کے قائل نہیں،اور نہ اس قبر کو قبر مانتے ہیں،زیادہ حوالہ جات کی ضرورت نہیں،نداء حق میں مستقل عنوان قائم کیا ہے،"كشف الستر عن معنى القبر"اور تقریباً ۲۷ کتب سے نقل کیا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ کا نام ہے۔ دیکھو نداء حق(۶۵/1-۸۱،ط:اشاعت اسلام)،بلکہ نیلوی صاحب تو فرماتے ہیں کہ اللہ کا نبی اس قبر مدنی میں زندہ نہیں،ملاحظہ ہو

"صاحب تسکین نے بہت سے اکابر کے حوالہ سے لکھا کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرامؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور لفظ قبر سے عرفی متبادر معنی سمجھے،حیات انبیاءؑ وشہداء کے بیان یا مابعد الموت تعذیب وتنعیم کے مقام میں لفظ قبر بولا جائے تو اس قبر کے معنی گڑھے کے نہیں ہوتے"

(نداء حق ص۶۷/1،ط:اشاعت اسلام)

نداء حق میں ہے:

"قبر بمعنی گڑھا لینا معتزلیوں کا مذہب ہے"

(۹۷/ا،ط:اشاعت اسلام)

اس میں یہ بھی ہے:

"قبر صرف غار اور گڑھے کا نام نہیں"

(ا/۹۸،ط:اشاعت اسلام)

اس میں یہ بھی ہے:

"معلوم ہوا کہ قبر اور زمین دو الگ الگ مقام ہیں"

(۲۱۰/ا،ط:اشاعت اسلام)

اس میں یہ بھی ہے:

"روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے"

(۱۰۱/۱، ط: اشاعت اسلام)

اشاعت کے شیخ الحدیث ناقد الرجال علامہ المحقق خان بادشاہ بن شاندی گل صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ان حیاتهم حیوة برزخیة ولیست بتعلق الارواح بهذه الاجساد المدفونة فی هذه الحفرة ۔

(الصواعق المرسلة علی الملا الداجوی واتباعه الطاغیة ۔ ص:۱۵۰، طبع فی مطبعة شاه ---باهتمام اداره گلستان۔۔۔ سرگودھا پاکستان)

اس میں یہ بھی ہے:

ولیس المراد بالقبر هذا القبر المحفور لان الحیاة وتعلق الروح بالبدن فی هذه الحفرة لیس بثابت...

(الصواعق المرسلة علی الملا الداجوی واتباعه الطاغیة ۔ ص: ۲۷۴، ۲۷۵، طبع فی مطبعة شاه ---باهتمام اداره گلستان۔۔۔ سرگودھا پاکستان)

مولوی شہاب الدین خالدی تحریر فرماتے ہیں:

جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح کے نکلنے کے بعد نہ وہ روح اس قبر میں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے اس روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے جسکی بناء پر یہ جسم دیکھتا ہو اور سنتا ہو اور سن کر جواب دیتا ہو۔۔۔

(عقائد علماء اسلام۔ ص:۹۱، زیر انتظام: جمعیت اشاعت التوحید والسنہ)

بندیالوی اور قبر عطاء اللہ بندیالوی صاحب نے بھی طیب طاہری صاحب کی طرح اشاعتی حضرات کو اہل سنت کا ہمنوا ظاہر کرنے کی سر توڑ کوشش کی ہے، مستقل کتاب لکھی ہے "حیاۃ النبی ﷺ" کے نام سے، اس کتاب میں وہی ہے جو المسلک الاکابر میں ہے برزخی کے چند حوالے، قبر کا انکار، وغیرہ۔

چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"قبر کس جگہ کا نام ہے؟

جن حضرات کو "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" اور اس طرح کی اور روایات سے دھوکہ ہوا کہ انبیاء جسد عنصری کے ساتھ انھی قبروں میں زندہ ہیں کاش وہ لوگ قبر کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو ان روایات کو اپنے دعوی میں پیش کرنے کی ہر گز جرأت نہ کرتے اس بات کو تقریبا تمام علماء نے تسلیم کیا ہے جزاو سزا کے اعتبار سے قبر اس جگہ کا نام نہیں جہاں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں اسکی روح قرار پاتی ہے"

(حیات النبی ﷺ۔ ص:۲۲، ط: جمعیت اشاعت التوحید والسنہ، سرگودھا)

تنبیہ: جب یہ حضرات اس قبر کو مانتے ہی نہیں تو اسمیں سوال وجواب اور عذاب وثواب کے قائل ہونے کا کیا مطلب۔۔۔

سماع الانبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات

اشاعتی حضرات سماع المیت کے بالکلیہ بلا استثناء منکر ہیں، اس میں نبی اور غیر نبی کی کوئی تخصیص نہیں، اور عدم سماع الموتی انکے نزدیک قطعی ہے، جبکہ اہل سنت کے نزدیک سماع الانبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے اسکا منکر اہل سنت سے خارج ہے اسکی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

جناب مفتی علی الرحمن صاحب نے اس مسئلہ کا بھی بالکل ذکر نہیں کیا، صرف اس مسئلہ کا انکار بھی اہل سنت سے خروج کیلئے کافی ہے۔

اشاعت کے شیخ الحدیث ناقد الرجال علامہ المحقق خان بادشاہ بن شاندی گل صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اقول قال المولوی سرفراز ایضا کذلک بحوالۃ نور الایضاح انہ ﷺ حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ حجب عن ابصار القاصرین عن شرف المقامات تسکین الصدور الطبعۃ الاولی ۱۲۸ واما سماع النبی ﷺ سلامنا وصلوتنا علیہ اذا کنا عند القبر فھو مسلک المولوی سرفراز واثبتہ من الحدیث الموضوع فی تسکین الصدور وذکرت ھھنا قولہ اجمالا فی غرائب الشیعۃ کأنہ ھو ھو۔۔۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ مولوی سرفراز بھی اس طرح بحوالہ نور الایضاح کہتا ہے آنحضرت ﷺ زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے او جھل ہیں جو ان رفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں جیسا کہ تسکین الصدور طبع اول ۱۲۸ میں ہے اور آنحضرت ﷺ کا ہمارا صلوۃ وسلام سننا جب قبر کے پاس ہو تو یہ مولوی سرفراز کا مسلک ہے جو من گھڑت حدیث سے ثابت کیا ہے اور یہاں میں نے اس کا قول شیعہ کے غرائب میں اجمالا ذکر کیا ہے گویا کہ اسکا مسلک بعینہ شیعہ کا مسلک ہے۔۔۔(التحفة العجيبة لأهل السنة والشيعة۔ ص: ۳۶۱)

درود وسلام عند قبر النبی ﷺ کے سماع کو شیعہ مسلک کہا، جبکہ ہمارے جملہ اکابرین دیوبند اس کے قائل ہیں۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

واما سماع النبی ﷺ صلوة من يصلی عليه عند قبره فهو مبنی علی الحديث الموضوع ---

(حقیقت المناظرہ فی دارالعلوم تهل۔ ص:۵۳)

عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے تمام اکابرین اور معتبر علماء (حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدینؒ، مفسر قران مولانا عبد الغنی جاجرویؒ، ترجمان اشاعت التوحید مولانا سجاد بخاریؒ ابن مولانا حسین علیؒ مولانا عبد الرزاقؒ، شیخ التفسیر مولانا قاضی عصمت اللہ دامت برکاتھم، شیخ الحدیث مولانا محمد حسین شاہ نیلویؒ، مولنا حکیم نور احمد یزدانیؒ) کے دستخطوں سے یہ فیصلہ ماہنامہ تعلیم القران بابت ماہ اکتوبر 1984ء میں شائع ہوا۔۔۔۔۔ یہ تاریخی فیصلہ جماعت کی مرکزی مجلس شوری کی میٹنگ منعقدہ ۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ ملتان میں ہوا، ذرا ملاحظہ فرمایئے: ہمارے شیخ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے تعلق رکھنے والے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام علماء اور مشائخ کا کتاب وسنت اور ارشادات سلف اور اقوال ائمہ متقدمین حنفیہ کی روشنی میں اپنا مسلک یہ ہے کہ سماع صلوۃ وسلام عند قبر النبی ﷺ

ثابت نہیں"۔

(مسلک شیخ القران۔ ص:۳۹، ط: حسینہ، سر گودھا)

اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

"سماع موتی شرک کا چور دروازہ ہے"

(مسلک شیخ القران۔: ص:۳۵، ط: حسینہ، سر گودھا)

اسی کتاب میں ہے:

"من صلی علی عند قبری" اسکی سند میں محمد بن مروان سدی صغیر ہے جو بالاتفاق محدثین کذاب اور وضاع ہے اس لئے محدثین نے اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

(مسلک شیخ القران۔ ص:۳۲، ط: حسینہ، سر گودھا)

مسلک الاکابر کی تقریظ میں مولانا محمد یار بادشاہ صاحب امیر صوبہ سرحد اشاعت التوحید والسنۃ لکھتے ہیں:

"ہم خرق عادت سماع کے قائلین کو کافر اور مشرک نہیں سمجھتے"۔

(مسلک الاکابر، ص:۳، ناشر: مکتبۃ الیمان، جامعۃ الامام محمد طاہر رحمہ اللہ دار القرآن پنج پیر صوابی)

اس میں خرق عادت کی قید لگائی، اس سے بظاہر تو یہی سمجھ آرہا ہے کہ عادی سماع کے قائلین کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں اور قائلین تو عادی سماع ہی کے قائل ہیں۔

میاں محمد الیاس لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے نزدیک قبر نبوی پر حاضر ہو کر حضور ﷺ سے استغاثہ یا فریاد کرنا یا دعا کی درخواست کرنا بھی مشرکانہ فعل ہے"

(سوانح مولانا حسین علیؒ۔ ص ۲۰۶، ط: اشاعت اکیڈمی، پشاور)

سوانح شیخ القران میں مولانا نیلوی صاحب شیخ القران مولانا طاہر صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مسئلہ حیات النبی بعد وفات النبی ﷺ، سماع عند القبر، استشفاع، توسل و وسیلہ و سماع موتی وغیرہ مسائل میں ان کا مسلک بہت راسخ تھا ان مسائل میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ

کے ہمنوا تھے، اور کسی کی پرواہ کیے بغیر قائلین سماع موتی کو کافر و مشرک سمجھتے تھے"

(ناشر القران۔ ص:۱۲۲، ط:گلستان پرنٹنگ پریس سرگودھا)

دفاع حق میں ہے:

"سماع موتی عادۃً ثابت نہیں اگر اللہ سنادیں تو خرق عادت پر محمول ہے"

(ص۶۸، ط:ابوذ کوان، تورڈھیر)

دفاع حق میں اشاعۃ التوحید والسنۃ کی مجلس مقننہ کا فیصلہ نقل کیا گیا ہے:

"سماع موتی کا عقیدہ قران کریم کے خلاف ہے، قران میں سماع موتی ثابت نہیں ہے جو لوگ بمشية الله خرقا للعادة عند القبر سماع کے قائل ہیں وہ کافر نہیں۔"

(ص:۹۸، ابوذ کوان، تورڈھیر)

مذکورہ فیصلہ کے بارے میں جناب مفتی علی الرحمن صاحب کے استاذ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالی کا جواب ملاحظہ ہو

جواب: سماع موتی کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ صحیح ہے اور آپ کے مرسلہ پرچے (مذکورہ فیصلہ) میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"یہ مسئلہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہا ہے، اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا"

(فتاوی رشیدیہ۔ ص:۸۷، مطبوعہ قرآن محل کراچی)

جب یہ مسئلہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے مختلف فیہا چلا آرہا ہے، تو ان میں سے کسی ایک فریق کو کافر قرار دینے والا گمراہ اور خارجی کہلانے کا مستحق ہو گا۔ واللہ اعلم

(آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ [تخریج شدہ ایڈیشن] ۱۱/۲۹۷، مجلس مقننہ اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ، ط:لدھیانوی)

تنبیہ: یہ واضح ہو کہ قائلین سماع النبی ﷺ عادۃً سماع کے قائل ہیں خرق عادت تو پتھر بھی سن سکتا ہے۔ مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں عادی سماع کے قائلین پر کفر کا فتویٰ ہوا یا نہیں؟

تنبیہ: بعض اشاعتی حضرات اپنی بدنامی کو چھپانے کیلئے کہہ دیتے ہیں کہ ہم قائلین سماع کو مشرک کافر نہیں کہتے، بلکہ سماع من قریب وبعید کے قائل کو ہم کافر کہتے ہیں، یہ بھی ان کا ایک مغالطہ ہے، عام بندہ یہ سمجھتا ہے کہ سماع موتی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے حالانکہ یہ غلط ہے، مردہ ان کے نزدیک بعید ہے اور اسکے سماع کا قائل سماع من بعید کا قائل ہے جو کہ شرک اور کفر ہے۔ ملاحظہ ہو

جناب طیب طاہری صاحب کے معتمد اور تورڈھیر کی اشاعت التوحید والسنۃ کے امیر محمد سلمان ساجد صاحب لکھتے ہیں:

"قبر میں مردہ نزدیک نہیں بلکہ بعید ہے، عادۃً بعید اسے کہا جاتا ہے کہ وہاں سے پکار وغیرہ سنی نہ جائے اور قبر میں اتنی مٹی کے اوپر عادۃ انسان کیسے سن سکتا ہے ہاں خلاف عادت ہو تو اور بات ہے"

(موت کا پیغام۔ ص ۲۷۲، ط: تعلیم القرآن، تورڈھیر)

اس میں یہ بھی ہے

"منوں مٹی کے نیچے عقل سلیم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ قبر میں مدفون مردہ دور سمجھا جائے"

(موت کا پیغام۔ ص:۲۷۵، ط: تعلیم القرآن، تورڈھیر)

اس میں یہ بھی ہے

"دور اور نزدیک سے سننے کا قول کرنے والوں کو ہم بلاشک وشبہ کافر اور مشرک قرار دیتے ہیں"

(موت کا پیغام۔ ص:۲۶۶، ط: تعلیم القرآن، تورڈھیر)

اس میں یہ بھی ہے

"تمام مردے عادۃً بات نہیں سنتے اور یہی قانون ہے اور اسکا قائل مشرک قرار دیا جائے گا"

(موت کا پیغام۔ ص:۲۶۶، ط: تعلیم القرآن، تورڈھیر)

کیا ان عبارات کو پڑھ کر یہی ثابت نہیں ہوتا کہ مردے کے سماع کا قائل مشرک اور کافر ہے حالانکہ تمام

اکابر علمائے دیو بند کثرھم اللہ سواد ھم سماع النبی ﷺ عند القبر کے قائل ہیں اب اس بارے میں چند حوالہ جات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱)حجۃ اللہ فی الارض سید نا الامام الاکبر ایۃ من ایات اللہ قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ العزیز [بانی دار العلوم دیو بند](المتوفی ۱۲۹۷ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”سماع انبیاء کرام علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لئے ان کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے جیسے ایام حیات میں احیاء کی زیارت ہوا کرتی ہے اور اس وجہ سے یوں نہیں کہہ سکتے کہ زیارت نبوی ﷺ مثل زیارت مسجد، زیارت مکان ہے۔۔۔ بلکہ وہ زیارت مکان نہیں مکین ہے۔“

(مقالات حجۃ الاسلام۔ جلد:۱۷، ص:۲۹، جمال قاسمی، ط:ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان پاکستان)

(۲)ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”سو چونکہ سلام امتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں، اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔“

(آب حیات۔ ص:۲۰۶، ط:ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان پاکستان)

(۳)قدوۃ العلماء، زبدۃ الفقہاء، فخر المحدثین، قطب العالم، حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔“

(فتاوی رشیدیہ۔ ۱/ ۲۲۰، ط:الحنفیۃ)

(۴)حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”مجموعہ روایات سے علاوہ فضیلت حیات واکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں۔۔۔ (۴) سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ، سلام کا

جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہیں۔"

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، ص:۲۲۱، فصل نمبر ۲۸، عالم برزخ میں آپ ﷺ کے بعض احوال و فضائل، ط: مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

(۵) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالی (المتوفی ۱۴۰۳ھ) [۱۳۴۳ھ میں دار العلوم دیوبند کے قائم مقام مہتمم بنائے گئے، پھر ۱۳۴۸ھ میں باضابطہ مہتمم ہوئے، ۱۴۰۰ھ تک اس عہدے پر فائز رہے] تحریر فرماتے ہیں:

برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور و معروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے، علماء دیوبند حسب عقیدہ اہل سنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، اور ان کے اجسام کے ساتھ ان کی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا، وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوۃ و سلام بھی سنتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

علمائے دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب و سنت سے پایا ہے، اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث ہی رہا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام۔ ۸/ ۲۱۹، مسئلہ حیات النبی ﷺ، ناشر: بیت السلام پبلشر، کراچی، پاکستان)

(۶) شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

"مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلوۃ و سلام پڑھتا ہے، اس کو خود سنتے ہے"

(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ۔ ۳/ ۱۴۳۔ فصل سوم، ط: عمر فاروق)

(۷) برکۃ العصر، قطب الاقطاب، شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"جو قبر اطہر کے قریب درود پڑھے اس کو حضور اقدس ﷺ بنفس نفیس خود سنتے ہیں،

بہت ہی قابل فخر، قابل لذت چیز ہے۔"

(فضائل درود شریف، ص: ۳۴، فصل اول: درود شریف کے فضائل میں، ط: لدھیانوی)

(۸) حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالی [خلیفہ مجاز حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ] تذکرۃ الخلیل سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ان کے حالات میں حسن اتفاق سے ذیل کی عبارت نظر آئی جو بجنسہ نقل کر دیجاتی ہے۔۔۔اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی ﷺ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔" (۳۶۰)

(سفر حجاز۔ ص: ۱۱۰، نوٹ متعلق باب: ۱۱، گنبد خضراء، ط: اعظم گھر، دار المصنفین)

(۹) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

"جو امتی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں،"

(معارف الحدیث، حصہ چہارم، ص: ۴۵۸ روضہ اطہر کی زیارت، کتاب الحج، ط: دار الاشاعت)

رأس الاتقیاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمہ اللہ تعالی، [خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی واں بھچراں رحمہ اللہ تعالی] کی تحریر ملاحظہ ہو:

"سردار انبیاء خاتم النبیین ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں اور حیات ان کی شان کے مناسب ہے ، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے، مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی، اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہر اسلام ڈالے، تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچاتے ہیں"

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا، یہ تو ایک اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔"

مسکین نصیر الدین غورغشتوی

(مقام حیات المسمے به مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الأنبیاء علیہم السلام۔

ص:۶۹۷،۶۹۶،ط: دار المعارف الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

(۱۰) شیخ الاسلام و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم [صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان] تحریر فرماتے ہیں:

وبالجملة فان هذه الاحاديث مع حديث الباب (مررت على موسى عليه السلام الخ) تدل على كون الانبياء احياء بعد وفاتهم وهو من عقائد جمهور اهل السنة والجماعة ، وانما المقصودحياتهم بمعنى ان لارواحهم تعلق قويا باجسادهم الشريفة المدفونة فى قبورهم ولهذا التعلق القوى حدثت لاجسادهم خصائص كثيرة من خصائص الاجساد مثل سماع السلام ورده

(تکملہ فتح الملهم۔۵/۲۸-۳۰،ط: دار العلوم کراچی)

(۱۱) شیخ المشائخ، مرشد العلماء، خواجہ خواجگان، حضرت مولانا خواجہ خان محمد قدس اللہ سرہ (المتوفی ۱۴۳۱ھ) [۱۹۷۷ء سے ۲۰۱۰ء تک تینتیس سال کا عرصہ آپ عالمی مجلس ختم نبوت کے امیر رہے] تحریر فرماتے ہیں:

"روضہ اقدس پر جو درود شریف پڑھے، وہ بلا واسطہ سنتے ہیں ، اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرات دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے۔"

(مماتی فتنہ علمائے دیوبند کی نظر میں۔ ص:2)

(۱۲) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

"یا رسول اللہ کہنے کی پانچویں صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر مواجہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھے "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" چونکہ آنحضرت ﷺ روضہ اطہر میں حیات ہیں ، اور ہر زائر کے سلام کو سماعت فرماتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، اس لئے وہاں جا کر خطاب کرنا نہ صرف جائز بلکہ احسن ہے۔"

(اختلاف امت اور صراط مستقیم۔ حصہ اول، ص:۵۶، اشاعت: اپریل ۱۹۹۵، ناشر: لدھیانوی)

(۱۳) ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ درود و سلام پیش کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں،“

(آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ ۱/۲۹۹، عقیدہ حیات النبی ﷺ پر اجماع، ط: لدھیانوی)

(۱۴) محقق العصر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کی قبر یہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔۔۔اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہیں، بلکہ دور سے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں۔“

(مقام حیات۔ ص:۴۴۸، الفصل الثانی وفيه ستة من المباحث ، مبحث اول: چار بنیادی سوالات ، جہاں بدن اطہر ہے وہیں عرض سلام ہے، ط: دار المعارف الفضل مارکیٹ ج، اردو بازار، لاہور)

(۱۵) فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

”غرض جس طرح آپ کی حیات میں آداب ظاہری و باطنی کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اسی طرح مزار مبارک پر حاضری کے وقت بھی ضروری سمجھے کیونکہ آپ کی حیات برزخی قوی دلائل سے موجودہ ثابت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ

"جو شخص مجھ پر پاس کھڑا ہو کر درود بھیجتا ہے میں اس کو سنتا ہوں، اور جو دور سے بھیجا جاتا ہے، وہ مجھ کو سنایا جاتا ہے"

(فتاوی محمودیہ۔ ۱۰/۴۴۵ ، باب زيارة المدينة المنورة ،ط: ادارۃ الفاروق کراچی)

(۱۶) فتاوی مفتی محمودؒ میں ہے:

”نبی اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں حی (زندہ) ہیں، اور قبر شریف پر سلام پڑھا جائے تو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہر جگہ سے نہیں سنتے، بلکہ دور دراز سے صلوۃ و سلام پڑھنے والوں کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔“

(۱/۳۵۳۔ کتاب العقائد، مطبع: اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور)

(۱۷) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی صاحب [شاگرد رشید فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ] تحریر فرماتے ہیں:

"خود حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص میری قبر اطہر کے پاس درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے، میں خود اس کو سن کر اس کا جواب دیتا ہوں، اور جو دور سے درود پڑھتا ہے فرشتے میرے پاس پہنچاتے ہیں۔"

(فتاوی قاسمیہ ۔۲/۱۵۳۔ روضہ اقدس پر ہلکی آواز سے درود پڑھنا، باب ما یتعلق بالأنبیاء، کتاب الایمان والعقائد ، ط:اشرفیہ،دیوبند،الھند)

(۱۸)حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری[حالا استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند] تحریر فرماتے ہیں:

"جو شخص پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرتا ہے تو آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کے سلام کو بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں،اور جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں"

(کتاب النوازل ۔۷/۶۴۰ مدینہ منورہ ، کتاب الحج، ط:المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مراد آباد،الہند)

(۱۹)مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روح مبارک کا تعلق جسم اطہر کے ساتھ شہید سے بھی زیادہ ہے، اتنا زیادہ ہے کہ کسی اور کی روح کو اپنے جسم سے اتنا تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کی قبر شریف پر حاضر ہو کر جو آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا آپ اسے خود سنتے اور جواب عنایت فرماتے ہیں۔"

(فتاوی دار العلوم کراچی (امداد السالکین)۔۱/۱۰۰،عقیدۂ حیات النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم،کتاب الایمان والعقائد،ط:ادارۃ المعارف کراچی)

(۲۰)حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم العالیہ کا قائم کردہ ادارہ جامعہ دار العلوم یاسین القرآن نارتھ کراچی سے شائع ہونے والے "نجم الفتاوی" میں مذکور ہے:

"با قاعدہ روح کا جسد مبارک سے تعلق ہے حتی کہ روضۂ اقدس کے پاس درود شریف

پڑھا جائے تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام خود سنتے ہیں"

(نجم الفتاوی۔ ۱/ ۲۶۰، آپ علیہ السلام کی قبر اطہر میں حیات مبارکہ، کتاب العقائد، ناشر: دار العلوم یاسین القرآن)

(۲۱) دار الافتاء دار العلوم دیو بند سے سوال وجواب ملاحظہ ہوں۔

سوال نمبر:36429

عنوان: جو درود وسلام نبی پر بھیجا جاتا ہے، کیا نبی اسے خود سنتے ہیں؟

سوال: میر اسوال یہ ہے کہ جو درود وسلام نبی پر بھیجا جاتا ہے، کیا نبی اسے خود سنتے ہیں؟ یا فرشتے اس تک یہ سلام پہنچاتے ہیں؟ آپ سے گزارش ہے کہ جواب میں جو احادیث آپ بھیجتے ہیں انکا ترجمہ ضرور لکھا کریں۔

جواب نمبر؛36429

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتوی(م): 292=292-1433/ 2 روضہ اقدس کے پاس جو درود وسلام پڑھتا ہے، اس کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور جو دور سے بھیجتا ہے اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ حدیث: من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا أبلغته (ترجمہ: آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے)(مشکاۃ شریف باب الصلاۃ علی النبی:۸۷)

واللہ تعالیٰ اعلم

دار الافتاء

دار العلوم دیوبند

(۲۲) دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے سوال وجواب ملاحظہ ہوں۔

کیا روضہ اقدس پر پڑھا جانے والا درود حضور پاک ﷺ بذات خود سنتے ہیں؟

سوال:

کیا روضہ اقدس پر پڑھا جانے والا درود حضور پاک ﷺ بذات خود سنتے ہیں؟

اگر روضہ اقدس پر پڑھا جانے والا درود حضور پاک ﷺ بذات خود سنتے ہیں درود ابراھیمی پڑھا جائے یا کوئی دوسرا، آپ بتادیں۔ جزاک اللہ

جواب:

حدیث شریف میں ہے: عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا أبلغته۔

رواه البيهقی فی شعب الايمان كما فی المشكوة وبسط السخاوی فی تخريجه۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر بھیجتا ہے مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے، متعدد روایات سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص دور سے درود بھیجے فرشتہ اس پر متعین ہے کہ حضور ﷺ تک پہنچائیں اور جو شخص قبر اطہر کے قریب درود پڑھے اس کو حضور ﷺ بنفس نفیس خود سماعت فرماتے ہیں، رہی یہ بات کہ وہاں کون سا درود پڑھنا افضل ہے تو روضہ اقدس پر مخاطب کے صیغہ کے ساتھ درود پڑھنا افضل ہے مثلا: الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ مزید تفصیل کے لئے شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی فضائل حج میں مدینہ منورہ حاضری کے آداب کا باب مطالعہ کرلیں۔ واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 143710200032

دار الافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

(۲۳) ملک پاکستان کے بڑے، مقتدر دینی اداروں میں سے ایک نام جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا ہے، اس ادارے سے شائع ہونے والے فتاوی حقانیہ میں مذکور ہے:

"حضور انور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی دور سے مجھ پر درود بھیجتا تو اللہ تعالی

کے حکم سے فرشتے اس درود کو مجھ تک پہنچاتے ہیں اور جب کوئی قریب سے (روضہ اطہر پر آکر) مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود سنتا ہوں۔لما ورد فی الحدیث : قال النبی ﷺ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا أبلغته (مشکاۃ المصابیح ۔ ص: ۸۷، باب الد عا فی التشھد ، ط: سعید)

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوا کہ اکابرین علمائے دیوبند کثرھم اللہ سوادھم کا یہ عقیدہ ہے:

”روضہ اقدس کے پاس جو درود وسلام پڑھتا ہے، اس کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود شریف پڑھتے ہیں اس کو فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتے ہیں“

جبکہ اشاعتی حضرات روضۂ اقدس کے پاس درود شریف کے سماع کے بالکل قائل نہیں ہیں، بلکہ قائلین کی تکفیر تک ان کی عبارات سے نکلتی ہے،اور بعض اشاعتی حضرات کا یہ کہنا کہ ہم صرف دور سے سماع کے قائل کو مشرک کہتے ہیں تو اس سے میت کا سماع مستثنیٰ نہیں ہوا، کیونکہ میت انکے نزدیک دور ہی ہے لہذا اس کے سماع کا قائل سماع من بعید کا قائل ہے لہذا وہ بھی مشرک بنا۔جب ان حضرات کے نزدیک اکابرین دیوبند کے عقائد کی کفریہ شرکیہ ہیں تو انکو دیوبندی ثابت کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔

علامہ سیوطیؒ،علامہ بدر عالم میر ٹھیؒ، مفتی جمیل احمد تھانویؒ، تسکین الصدور کے مصنفؒ پر شرک کا فتوی

نیلوی صاحب نداء حق میں لکھتے ہیں:

”پھر علامہ سیوطی نے جو بات فرمائی ہے کہ مردوں کا ساری مخلوق کا سلام سننا بلاشبہ صحیح ہے۔“

(سماع الموتی ص:۱۷۴، ط:صفدریہ)

کیا آپ کو تسلیم ہے۔۔۔اگر تسلیم ہے تو آپ میں اور بریلویوں میں کیا فرق ہے؟البتہ اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ بریلوی صرف انبیاء اور اولیاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ سب کی سنتے ہیں دوسرے مردوں کے بارے میں انکا یہ عقیدہ نہیں لیکن آپ کا یہ عقیدہ تو تمام مردوں کے بارے میں ہوا،اور حضرت شاہ صاحب کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ شیخ سیوطی نے اسمیں مطلب اور گر کی بات کہی ہے پھر بتایئے شرک اور کس بلا کا نام ہے۔۔۔ساری مخلوق کا کلام سننا تو

خاصہ اللہ تعالی کا ہے پھر یہ شرک حضرت شاہ صاحب کے ذمے لگا دیا، یہ آپ لوگوں کا ہی دل گردہ ہے کہ شاہ صاحب کو شرک کی دلدل میں دھنسا دیا اور مدار اسکی فیض الباری ہے، مولوی بدر عالم کے علم سے مرعوب ہو کر بیچارے جمیل احمد تھانوی صاحب لکھ گئے، سیوطی کی کتاب الحاوی کا حوالہ دے کر شرک کو مزید منور کر دیا۔"

(۳/ ۳۳۵، ط؛ اشاعت اسلام)

حالانکہ حضرت کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا یہ شعر جو ہے:

سماع الموتی کلام الخلق معتقد   جاءت به عندنا الاثار فی الکتب

یہ فیض الباری، مشکلات القران، تسکین الصدور،، اور علامہ سیوطی کی الحاوی للفتاوی میں مذکور ہے، اور نیلوی صاحب کے نزدیک یہ شعر شرک ہے کیونکہ اسمیں مخلوق کو الٰہی صفت دی گئی ہے بلکہ اسکا معتقد بریلویوں سے بڑا مشرک ہے۔

یہ خلاصہ ہے نیلوی صاحب کی مذکور عبارت کا۔ اب علامہ سیوطیؒ، مولانا جمیل احمد تھانویؒ، مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ، مولانا بدر عالم صاحبؒ، مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ اور باقی بھی جو جو علماء اس شعر کو مانتے ہیں کیا یہ ان پر شرک کا فتوی نہیں لگا؟؟؟

جناب مفتی علی الرحمٰن صاحب سے گزارش ہے کہ اشاعت التوحید کے اکابرین سے درج ذیل سوالات بھی کر لیں:

۱۔ سماع من قریب عادۃً کے قائل کا کیا حکم ہے؟

۲۔ عدم سماع کی دلیل قطعی ہے یا ظنی؟ اگر قطعی ہے، تو منکر کی تکفیر ہو گی یا نہیں؟ اگر نہیں، تو کیا وجہ ہے؟ اور اگر تکفیر نہیں، تو تفسیق اور تضلیل ہو گی یا نہیں؟

۳۔ علم غیب کی نفی کی دلیل قطعی ہے یا ظنی اگر قطعی ہے تو منکر کی تکفیر ہے یا نہیں؟

۴۔ اگر ہے تو عدم سماع کے منکر کی تکفیر کیوں نہیں۔ وجہ فرق کیا ہے؟

صرف یہی تو نہیں سماع کے قائل کی تکفیر پر دیوبندی تقیہ کی چادر ٹوٹ جائے گی۔

۵۔ میت کا سماع من بعید ہے یا قریب۔۔۔؟

(جاری)

مولانا مفتی محمد مجاہد صاحب فاضل مدرسہ عربیہ رائیونڈ

جمع بین الصلاتین کا قرآن وسنت اور فقہی اصولوں کی روشنی میں شرعی تجزیہ اور انجینئر مرزا کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

اس تحریر میں پہلے ہم قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھیں گے اور پھر انجینئر مرزا کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ لیں گے۔

قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نمازوں کو ان کے وقتِ مقررہ پر ادا کرنا ضروری ہے، اور ان میں تقدیم یا تاخیر جائز نہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ (النساء:103)

اہلِ سنت کے مطابق ہر نماز کا وقت شریعت میں واضح طور پر متعین ہے، جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کرواتے ہوئے واضح فرمایا۔ پہلے دن ہر نماز اول وقت میں پڑھائی، اور دوسرے دن آخر وقت میں۔ پھر فرمایا:

"ہر نماز کا وقت ان دونوں کے درمیان ہے"۔

اگر ظہر اور عصر، اور اسی طرح مغرب اور عشاء، چار الگ الگ نمازوں کے بجائے صرف دو نمازیں ہوتیں، تو مجموعی طور پر فرض نمازوں کی تعداد تین قرار پاتی۔ ایسی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دس مرتبہ آنے کے بجائے صرف چھ مرتبہ آنا کافی ہوتا۔

لیجیے وہ حدیث پیش خدمت ہے جس میں حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دو دن تک دس مرتبہ امامت کروانا اور ہر نماز کا وقت الگ الگ متعین کرنا ثابت ہے۔

سنن أبي داود (1/ 107 ت محيي الدين عبد الحميد):

393- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ فُلَانِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: «أَمَّنِي جِبْرِيلُ عليه السلام عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ، فَصَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ

وَكَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاكِ، وَصَلَّى بِيَ الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِيَ يَعْنِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِيَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى بِيَ الْفَجْرَ حِينَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّى بِيَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ، وَصَلَّى بِيَ الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ، وَصَلَّى بِيَ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَصَلَّى بِيَ الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ» ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ: «يَا مُحَمَّدُ، هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ»

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کی۔ پہلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ جوتے کے تسمے کے برابر ہو گیا، عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، مغرب اس وقت پڑھائی جب روزہ دار افطار کرتا ہے (یعنی سورج غروب ہوتے ہی)، عشاء اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہو گئی، اور فجر اس وقت پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، یعنی صبح صادق کے طلوع ہونے پر۔

دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دوگنا ہو گیا، مغرب اسی وقت پڑھائی جب روزہ دار افطار کرتا ہے، عشاء تہائی رات میں پڑھائی، اور فجر اجالے میں پڑھائی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہی وقت آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا بھی رہا ہے، اور ہر نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

قرآنِ کریم، احادیثِ صحیحہ اور امت کے فقہاء و محدثین کا اجماع بھی اسی موقف کی تائید کرتا ہے۔ اس کے برخلاف، شیعہ مسلک امتِ مسلمہ کے اجماعی فہم سے ہٹ کر یہ الگ رائے رکھتا ہے کہ بلا عذر بھی دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

یہ مضمون کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام دس مرتبہ آئے، معنوی طور پر متواتر ہے، اور یہ حدیث دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

سنن الترمذي (1/196):

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَبُرَيْدَةَ، وَأَبِي مُوسَى، وَأَبِي مَسْعُودٍ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَجَابِرٍ، وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، وَالْبَرَاءِ، وَأَنَسٍ.

دو نمازوں کو بلا عذر جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوب سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بلا کسی شرعی عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا ادا کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

تفسير ابن أبي حاتم(932/3):

5208 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّبَّاحِ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلالٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ يَعْنِي: الْعَدَوِيَّ قَالَ: قُرِئَ عَلَيْنَا كِتَابُ عُمَرَ: مِنَ الْكَبَائِرِ جَمْعٌ بَيْنَ الصَّلاتَيْنِ، يَعْنِي: مِنْ غَيْرِ عذر

قال ابن كثير: هذا اسناد صحيح

ابو قتادہ العدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ہم پر حضرت عمر کا خط پڑھا گیا، جس میں یہ لکھا تھا:

"بڑی کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا ہے۔"

(یعنی بغیر کسی شرعی عذر کے دو فرض نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنا کبیرہ گناہ شمار ہوتا ہے۔)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ سند صحیح ہے۔

بلا عذر دو نمازوں کو جمع کرنا جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ناجائز ہے

بغیر کسی عذر (جیسے سفر، بارش یا خوف) کے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا صرف فقہائے احناف کے نزدیک ہی ممنوع نہیں، بلکہ یہ مسئلہ جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک بھی متفق علیہ ہے۔ کتبِ ستہ میں شامل ایک اہم کتاب جامع ترمذی کے مؤلف اور محدثِ وقت، امام ترمذی رحمہ اللہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہیں، انہوں نے اپنی کتاب العلل میں واضح طور پر بیان فرمایا کہ ان کی اس کتاب میں درج تمام احادیث پر اہلِ علم کا عمل ہے، سوائے دو احادیث کے۔ ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف، بارش یا سفر کے ظہر و عصر اور

مغرب وعشاء کی نمازیں جمع فرمائیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس پر کسی بھی اہلِ علم کا عمل نہیں، بلکہ سب کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اس صریح بیان سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا امت میں کسی بھی فقیہ یا محدث کا معمول نہیں رہا، بلکہ یہ عمل متروک ومنسوخ ہے۔

کتبِ ستہ میں سے ایک اہم کتاب کے مؤلف اور محدثِ وقت، امام بخاری رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ "کتاب العلل" میں فرماتے ہیں:

كتاب العلل الواقع بآخر جامع الترمذي(6/227):

كِتَابُ الْعِلَلِ

جَمِيعُ مَا فِي هَذَا الْكِتَابِ مِنَ الْحَدِيثِ فَهُوَ مَعْمُولٌ بِهِ، وَقَدْ أَخَذَ بِهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مَا خَلَا حَدِيثَيْنِ حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالْمَدِينَةِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ وَلَا مَطَرٍ، وَحَدِيثَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: إِذَا شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ. وَقَدْ بَيَّنَّا عِلَّةَ الْحَدِيثَيْنِ جَمِيعًا فِي الْكِتَابِ.

اس کتاب میں جتنی احادیث ہیں سب ہی معمول بہا ہیں، جنہیں بعض اہلِ علم نے اختیار کیا ہے، سوائے دو حدیثوں کے: ایک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر کی نماز، اور مغرب وعشاء کی نماز مدینہ منورہ میں خوف، سفر یا بارش کے عذر کے بغیر جمع فرمائی۔ اور دوسری حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شرابی چوتھی بار بھی شراب پیے تو اسے قتل کر دو۔ اور ہم (امام ترمذی) نے ان دونوں حدیثوں کی علت کتاب میں بیان کر دی ہے۔

اسی ضابطے کو علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے

جامع الأصول(1/173):

ألا ترى أن الإمام أبا عيسى الترمذي رحمه الله وهو من المشهورين

بالحديث والفقه قال في آخر كتابه الجامع : إن جميع ما في كتابنا من الحديث معمول به، وأخذ به بعض أهل العلم، ما خلا حديثين.

أحدهما: حديث ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الظهر والعصر بالمدينة، والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر

روایات میں "جمع" سے مراد صورتاً جمع ہے، حقیقتاً نہیں

بعض روایات میں ظہر اور عصر، اسی طرح مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ ان روایات میں "جمع" کرنے سے مراد حقیقتاً دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا نہیں، بلکہ صورتاً جمع کرنا ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ ظہر کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی جائے کہ اس کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو، اور جیسے ہی ظہر سے فارغ ہوں، تھوڑا سا انتظار کر کے عصر کی نماز اس کے وقت کے آغاز میں ادا کر لی جائے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس صورت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہیں، مگر بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا دونوں نمازیں اکٹھی ادا کی گئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مواقع پر دو نمازوں کو اسی طریقے سے ادا فرمایا، تو بعض راویوں نے یہ تعبیر اختیار کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں کو جمع فرمایا، حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی، جیسا کہ تفصیلی روایات میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں...

صحيح مسلم(1/489ت عبد الباقي):

(704) وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ. حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ (يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ) عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ قَالَ:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ، أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ. ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا. فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ، صَلَّى الظُّهْرَ ثم ركب.

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب سورج کے زائل ہونے سے قبل سفر فرماتے تو ظہر کو مؤخر فرماتے عصر تک، پھر (سواری سے) اترتے، اور دونوں نمازوں کو جمع فرماتے۔

صحيح مسلم(1/489ت عبد الباقي):

(703) وحدثني حرملة بن يحيى. أخبرنا ابن وهب. أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ. قَالَ:
أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ؛ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ:
رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، إِذَا أَعْجَلَهُ السَّيْرُ فِي السَّفَرِ، يُؤَخِّرُ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ.
میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر پر جانے میں عجلت ہوتی تو مغرب کی نماز کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے۔

جمع بین الصلاتین کی روایات کی صحیح تعبیر: جمعِ صوری

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو نمازوں کو جمع فرمانا حقیقتاً نہیں، بلکہ صورتاً تھا، جیسا کہ اس کی وضاحت ما قبل میں کی جا چکی ہے۔ چنانچہ اگر ان روایات کو جمعِ صوری پر محمول کیا جائے تو تمام آیات اور احادیث کے درمیان کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ان روایات کو حقیقتاً جمع پر محمول کیا جائے تو اس کے نتیجے میں متعدد آیاتِ قرآنیہ اور صحیح احادیث کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔ اس لیے ان روایات کی صحیح تعبیر یہی ہے کہ انہیں جمعِ صوری پر محمول کیا جائے، تاکہ قرآن و حدیث دونوں پر مکمل عمل کیا جا سکے اور باہم تضاد و ٹکراؤ پیدا نہ ہو۔

احناف کا موقف: ہر نماز اپنے وقت پر

خلاصہ یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنا واجب ہے۔ احناف کے نزدیک سفر میں بھی دو نمازوں کو ایک وقت میں حقیقتاً جمع کرنا جائز نہیں۔ البتہ ضرورت کے وقت صورتاً جمع کی گنجائش ہے، مثلاً:
ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں ادا کیا جائے اور عصر کو ابتدائی وقت میں، اسی طرح مغرب کو تاخیر سے آخری وقت میں پڑھا جائے اور عشاء کو اول وقت میں، تو یہ جمعِ صوری کہلاتا ہے، جس کی سفر میں اجازت دی گئی ہے۔ ایک نماز کو مؤخر کر کے اس کے آخری وقت میں ادا کرنا، اور دوسری نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھنا۔ اس صورت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا کی جاتی ہیں؛ لیکن ظاہری طور پر ان کے درمیان جمع پایا جاتا ہے، کیونکہ دونوں بظاہر ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ احناف کے نزدیک قرآن و حدیث کی روشنی میں جمعِ حقیقی صرف عرفات اور مزدلفہ میں جائز ہے۔

احناف کے مؤقف کی مستدل روایت صحیح بخاری میں موجود ہے، جس میں بطورِ حصر یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مواقع کے سوا کسی موقع پر نماز کو حقیقی طور پر جمع نہیں فرمایا، یعنی ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا۔"

صحيح البخاري(2/166):

1682 - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَارَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى صَلَاةً بِغَيْرِ مِيقَاتِهَا، إِلَّا صَلَاتَيْنِ: جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيقَاتِهَا.

ایک اور حدیث میں بھی اس کی وضاحت آئی ہے

سنن النسائي(5/445):

3013 - أخبرنا إسماعيلُ بنُ مسعودٍ عن خالد عن شعبة، عن سليمان، عن عُمارة بن عُمير، عن عَبْدِ الرَّحمن بن يزيد عن عبد الله قال: كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي الصَّلاةَ لوقتها إلا بجَمْعٍ وعرفات- إسناده صحيح

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز اس کے وقت پر پڑھتے تھے، سوائے مزدلفہ اور عرفات کے۔

انجینئر مرزا کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

انجینئر مرزا کے نزدیک بلاعذر نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے اور اس پر انجینئر مرزا صحیح مسلم کی حدیث 1629 کو بطور دلیل پیش کرتا ہے جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ظہر اور عصر کو مدینہ میں بغیر کسی خوف اور سفر کے جمع کر کے پڑھا تاکہ آپ اپنی امت کو تنگی و دشواری میں نہ ڈالیں۔

اس حدیث سے انجینئر مرزا یہ استدلال کرتا ہے کہ چونکہ حدیث میں بغیر کسی خوف اور سفر کے نمازیں جمع کرنے کا ذکر ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ بلاعذر نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں اور یہ سب امت کی آسانی کے لیے ہے۔

الجواب:

پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حقیقی طور پر نمازیں جمع کرنا کہیں سے بھی ثابت نہیں اور جمع حقیقی اور جمع صوری

کا حکم اور اسکا ثبوت ہم اوپر پیش کر چکے ہیں یہاں پر بلا عذر نمازیں جمع کرنے سے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ نہیں ہے کہ بغیر عذر کے بلکہ یہ کہا گیا ہے بغیر کسی خوف اور سفر کے یعنی نہ سفر کا عذر تھا نہ کسی خوف کا عذر تھا لیکن کوئی تیسرا عذر بھی تو ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ جیسے بارش کا عذر یا کوئی اور تیسرا عذر! جیسے کہ صحیح بخاری 543 میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں اکٹھی پڑھیں تھیں تو راوی نے کہا شاید بارش میں ایسا کیا ہو یعنی بغیر خوف اور بغیر سفر کے علاوہ بھی عذر ہو سکتا ہے جیسے بارش کا عذر جس کی طرف راوی نے اشارہ کیا۔

جیسے صحیح بخاری 632 میں ہے کہ جب بارش ہو رہی ہوتی تو اذان میں «ألا صلوا في الرحال» کہ "لوگو! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو" کا اضافہ کر دیا جاتا یعنی یہ عذر نکل آیا بارش کا تو نماز گھر پڑھ سکتے ہیں۔

مزید دیکھیں صحیح مسلم 1636 میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ درس دے رہے تھے تو کسی نے کہا مغرب کا وقت گزر رہا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اکھٹی مغرب اور عشاء پڑھ لیں گے۔"

یعنی اب وہ درس دے رہے تھے تو یہ بھی ایک عذر ہو گیا کیونکہ درس ہو رہا ہو گا عوام متوجہ ہو گی اس لیے درس مکمل کیا گیا تاکہ عوام اچھی طرح بات سمجھ سکے جو درس میں سمجھائی جا رہی تھی کیونکہ وقفہ سے کچھ لوگ جا سکتے ہیں کچھ باتیں بھول سکتے ہیں اس لیے مغرب اور عشاء کو اکھٹا کر لیا گیا درس جاری کے عذر کی وجہ سے۔ اب کسی کی ڈیوٹی عصر سے عشاء تک ہو سکتی ہے جیسے آرمی والے جو اپنی جگہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں چھوڑ سکتے تو وہ عصر پڑھنے کے بعد مغرب اور عشاء اکھٹی پڑھ سکتے ہیں کیونکہ انکا بھی عذر ہے۔

پھر دوسری بات یہ کہ حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں جمع کرنا امت کی آسانی کے لیے ہے تاکہ امت کسی دشواری میں نہ پڑے۔ اس بات سے مرزا انجینئر نے یہ استدلال کیا کہ چونکہ یہ امت کی آسانی کے لیے عمل تھا لہٰذا ہم بغیر عذر کے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں حالآنکہ اگر اس پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ کہ " اپنی امت کو دشواری میں نہ ڈالیں " یہ الفاظ بلا عذر نمازیں جمع نہ کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔

اب اس بات کو ذرا سمجھیں، ایک شخص جو بالکل فارغ گھر میں بیٹھا ہے اسے کوئی ضروری کام بھی نہیں ہے اب ایسا

شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمع کرے گا تو وہ گناہگار ٹھہرے گا کیونکہ اس پر تو کسی قسم کی کوئی دشواری ہی نہیں تھی جو اس نے نمازوں کو جمع کیا جبکہ دشواری تو اس شخص کے لیے ہو گی جسے کوئی بہت ضروری کام ہو گا۔ ایک ایسا شخص جسے کوئی ضروری کام ہی نہیں تو اسے نماز پڑھنے میں دشواری کس بات کی ؟

اسی طرح حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ امت دشواری میں نہ پڑے تو اس سے مراد وہی شخص ہو گا جسے واقعی میں کوئی عذر پیش آئے گا کیونکہ اگر کسی شخص کو کوئی ضروری کام بھی ہو اور اسے شریعت نے پھر بھی وقت پر نماز پڑھنے کا سخت حکم دیا ہو تو یقیناً یہ ایسے شخص کے لیے ہی دشواری کا کام ہو گا لیکن شریعت نے اس میں اس کے لیے آسانی فرمائی لیکن جو شخص بالکل فارغ ہو اور وہ وقت پر نماز پڑھ سکتا ہو اس کے لیے کوئی دشواری نہیں اور نا ہی وہ اس حدیث کا مصداق ٹھہرتا ہے۔

نمازیں جمع کرنے کا طریقہ

مرزا انجینئر اپنے سٹوڈنٹس کو یہ تو بتاتا ہے کہ نمازیں جمع کر کے پڑھی جا سکتی ہیں لیکن آج تک مرزے نے کسی ایک بھی صحیح حدیث سے یہ نہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نمازیں جمع کیسے اور کس وقت کر کے پڑھتے تھے۔ یعنی ظہر کے وقت میں ہی ظہر کیساتھ عصر کو پڑھا کرتے تھے یا پھر ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے قریب جا کر پڑھتے تھے۔

ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جمع کردہ نمازیں صورتاً تھیں ناکہ حقیقتاً جیسا کہ ہم اوپر یہ ثابت کر چکے ہیں۔

مرزا انجینئر کے سٹوڈنٹس کو نصیحت

یہ آپ لوگوں کی نمازوں کا مسئلہ ہے۔ ایک نا اہل شخص کے پیچھے لگ کر اپنی نمازیں ضائع ہونے سے بچائیں۔ اگر یونہی بلا عذر نمازیں جمع کرتے رہیں گے اور وہ بھی حقیقی طور پر تو آپ گناہ کبیرہ کے مرتکب ٹھہریں گے لہٰذا دین علماء کرام سے سیکھیں اور ایسے بلا عذر نمازیں جمع کر کے پڑھنے سے بچیں۔ یہ مرزا وہی شخص ہے جو پہلے ارسال یدین یعنی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والے عمل کو غیر افضل کہتا تھا لیکن بعد میں اپنے رافضی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ارسال یدین کو افضل طریقہ قرار دے دیا جبکہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کسی بھی طرح ثابت نہیں اور خلاف سنت عمل بھی ہے۔

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ (قسط:۲)

احادیث کے رَدو قبول میں غیر مقلدین کی من مانیاں

شیخ زبیر علی زئی کی من مانیاں

احادیث کے رد و قبول میں من مانیوں کے سلسلہ میں شیخ البانی کے بعد شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کو سامنے لاتے ہیں۔ البانی کے بعد ان کا تذکرہ اس وجہ سے بھی مناسب ہے کہ غیر مقلدین کے بقول وہ اس ملک کے البانی تھے۔

شیخ طارق جاوید عارفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''شیخ زبیر رحمہ اللہ پاکستان کے البانی تھے۔''

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۴۱۰)

مزید یہ کہ اُن کے متعلق لکھا گیا:

''آپ اہلِ حدیث کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔''

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۵۴۶)

ذیل میں احادیث کے رَد و قبول کی بابت ''پاکستان کے البانی'' ......اور...... ''اہلِ حدیث کے لئے سرمایہ افتخار''یعنی شیخ زبیر علی زئی کا کردار ملاحظہ فرمائیں۔

احادیث کو صحیح اور ضعیف قرار دینے میں محدثین کے اصولوں کی مخالفت

شیخ خبیب اَثری غیر مقلد نے علی زئی کی زندگی میں اُن کے متعلق لکھا:

''احادیث کی تصحیح اور تعلیل میں جمہور متقدمین کی بالخصوص اور جمہور متاخرین کی بالعموم مخالفت کر رہے ہیں۔''

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۳۶۶، ناشر: ادارۃ العلوم الاثریۃ منٹگمری بازار فیصل آباد، تاریخِ طباعت: جون/ ۲۰۱۲ء)

شیخ محمد عزیز شمس غیر مقلد نے علی زئی کے حالات میں لکھا:

”احادیث کی تحقیق کے سلسلے میں انہوں نے بعض ایسے اصول بنائے ہیں جو جمہور محدثین کے خلاف ہیں جیسے احادیث پر حکم لگانے میں ظاہر سند کا اعتبار اور علل کی پروانہ کرنا، راویوں پر جرح وتعدیل میں علماء ونقاد کی تعداد سامنے رکھنا، صحیح کے باہر ہر مدلس راوی کا عنعنہ ناقابل قبول بتانا، معروف کتبِ حدیث ورجال (جو مختلف قرائن کی بنا پر ان کے مؤلفین سے ثابت ہیں) کے لئے ان کے مؤلفین تک صحیح سند سے اتصال کا مطالبہ کرنا۔ ان اصولوں پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کی تحقیق دیگر قدیم، جدید محدثین و محققین کی تحقیق سے مختلف ہوتی ہے۔“

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۱۷۷)

شیخ عبد العزیز نورستانی غیر مقلد (جامعہ اثریہ پشاور) لکھتے ہیں:

”حافظ صاحب فن رجال میں تبحر کی بنا پر کچھ تفردات کے بھی حامل تھے۔“

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۵۰۴)

خود ساختہ اصولوں کو محدثین کے اصول باور کرانا

اوپر غیر مقلد لکھاریوں کی عبارات آپ ملاحظہ فرما چکے کہ علی زئی صاحب حدیثوں کو صحیح اور ضعیف قرار دینے میں محدثین کے اصولوں کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اَب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ انہوں نے مزید جسارت کی کہ اپنے خود ساختہ اصولوں پر محدثین کے اصولوں کا لیبل لگادیا تاکہ سادہ لوگوں کو اعتماد میں لے کر صحیح حدیثوں کو ضعیف اور ضعیف حدیثوں کو صحیح باور کرا سکیں۔ ثبوت ملاحظہ۔

شیخ کفایت سنابلی غیر مقلد نے علی زئی صاحب کی من مانی کو بیان کرتے ہوئے لکھا:

”دَر اَصل ہم نے حسنِ ظن کی بنیاد پر یہ باور کیا تھا کہ علی صاحب محدثین وائمہ سے جو کچھ نقل کرتے ہیں، ان سب میں پوری امانت اور دیانت داری کا ثبوت دیتے ہوں گے، اسی طرح تحقیق حدیث میں جن قواعد و اصول کو بنیاد بناتے ہیں، وہ بھی محدثین سے ثابت ہوں گے۔ لیکن جب ہمارا اُن سے مناقشہ ہوا، اور ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ان کی پیش کردہ باتوں کو اَصل مراجع سے دیکھا جائے تو اس مرحلہ میں یہ او جھل حقیقت منکشف ہوئی کہ زبیر علی

زئی صاحب اپنے اندر بہت ساری کمیاں رکھتے ہیں مثلاً خود ساختہ اصولوں کو بلا جھجک محدثین کا اصول بتلاتے ہیں۔ بہت سارے مقامات پر محدثین کی باتیں اور عربی عبارتیں صحیح طرح سے سمجھ ہی نہیں پاتے، اور کہیں محدثین کے موقف کی غلط ترجمانی کرتے یا بعض محدثین و اہل علم کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے جن سے وہ بری ہوتے ہیں۔ اور کسی سے بحث کے دَوران مظالطہ بازی کی حد کر دیتے ہیں۔ اور فریقِ مخالف کے حوالے سے ایسی باتیں نقل کرتے ہیں یااس کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں جو اُس کے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتیں۔ ان تمام کوتاہیوں کے باوجود زبیر علی زئی صاحب کے اندر ایک اہم خوبی یہ ہے کہ وہ جرح و تعدیل کے اقوال کی بھی چھان بین ضروری سمجھتے ہیں کہ آیاوہ ناقدین سے ثابت ہیں یا نہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے اور محض اسی امتیاز نے راقم السطور کو ان کی تحریروں کی طرف راغب کیا۔ لیکن افسوس کہ اس بابت بھی آں جناب کی تحقیقات پر اس لحاظ سے سوالیہ نشان لگ جاتا ہے کہ مبادا یہاں بھی موصوف نے وہی طرز عمل اختیار کیا ہوگا جس کی طرف بالا سطور میں اشارہ کیا گیا۔"

(حاشیہ: زبیر علی زئی پر رد میں دوسری تحریر، کیا یزید بن معاویہ رحمہ اللہ سنت کو بدلنے والے تھے؟ صفحہ ۲)

درج بالا حوالہ دیکھنے کے لئے مذکورہ کتاب کا بعد کا، حواشی والا ایڈیشن پیشِ نظر رہے۔

حسن لغیرہ حدیثیں جمہور محدثین کے ہاں حجت ہیں

قاضی شوکانی غیر مقلد نے "نیل الاوطار: ۲۸۱/۴، باب وجوب الحج" میں لکھا:

"اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے جو جمہور کے ہاں قابلِ حجت ہے۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۱۱)

شیخ خبیب اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"دکتور خالد بن منصور الدریس جامعۃ الملک سعود میں حدیث اور مصطلح الحدیث کے استاذ ہیں، انہوں نے حسن لذاتہ ولغیرہ کے حوالے سے ایک مقالہ لکھا، جسے پیش کرکے

یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ (PHD) کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں اسے پانچ جلدوں (تقریباً چھبیس صد صفحات) میں زیورِ طبع سے آراستہ کرادیا...... حسن حدیث کا طویل دراسہ کرنے کے بعد اس کی حجیت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:"والقول بحجية الحسن لغيره ، هو رأى جمهور العلماء وعامتهم من عهد ابن صلاح فمن بعده بل من قبله بزمن " حسن لغیرہ کی حجیت کا موقف جمہور علماء کا ہے، بالخصوص حافظ ابن الصلاح کے زمانے کے بعد، بلکہ اس زمانے سے تھوڑا سا پہلے۔الحدیث الحسن (۲۳۴۴/۵)"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۱۵)

حسن لغیرہ حدیثیں جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہیں مگر غیر مقلدین کے ہاں "محدث العصر" کے لقب پانے والے شیخ زبیر علی زئی اور ان کے معتقد کئی غیر مقلدین حسن لغیرہ حدیثوں کی حجیت کے منکر ہیں، ان کی رائے میں ایسی حدیثیں ضعیف ہونے کی وجہ سے قابلِ رَد ہیں جیسا کہ اگلے عنوان "حسن لغیرہ حدیثوں کا انکار" عنوان کے تحت خود غیر مقلد مصنفین کی نقول پڑھ کر آپ جان لیں گے، ان شاءاللہ۔

حسن لغیرہ حدیثوں کا انکار

شیخ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ایک اصول میں شیخ زبیر علی رحمہ اللہ نے زیادہ سخت موقف اختیار کیا جو کہ حسن لغیرہ کی بابت تھا۔ عام محدثین کے نزدیک حسن حدیث کی دو قسمیں ہیں: حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۱۷۲)

شیخ صلاح الدین آگے لکھتے ہیں:

"حسن لغیرہ محدثین کے نزدیک وہ حدیث ہے جو ضعیف ہو لیکن متعدد طرق سے مروی ہو۔ دوسرے اس ضعیف حدیث کا سبب ضعیف راوی کا فسق یا کذب نہ ہو، بلکہ راوی کا سوء حفظ یا انقطاع سند یا رواۃ کی جہالت ہو۔ جب ایسی ضعیف حدیث ایک سے زیادہ طرق سے مروی ہو اور دوسرے طرق بھی اسی کے مثل یا اس سے قوی تر ہوں تو ایسی ضعیف تعددِ طرق کی وجہ

سے حسن کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسی حسن لغیرہ حدیث اگرچہ رتبے میں حسن لذاتہ سے کم تر ہے، تاہم قابلِ حجت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک متعدد طرق سے، بشرطیکہ ان طرق کا ضعف شدید نہ ہو بلکہ اس جیسا ہی ہو یا اس سے بھی کم تر ہو، اس ضعیف حدیث کے ضعف کا انجبار ہو جاتا ہے، یا اس کی کوئی نہ کوئی اصل معلوم ہوتی ہے۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۱۷۲)

شیخ صلاح الدین نے آگے لکھا:

"شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا موقف تھا کہ ضعیف حدیث + ضعیف حدیث = حسن لغیرہ کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی۔ یعنی انہوں نے ضعف کے درجات کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ ضعف شدید ہو یا خفیف، مطلقاً قابلِ حجت نہیں اور ایسی احادیث حسن لغیرہ قرار نہیں پاسکتیں، اس لئے انہوں نے (مروجہ) حسن لغیرہ کا انکار کر دیا اور یوں اس ایک اصول میں اختلاف کی وجہ سے ان کی روش محدثین سے مختلف ہو گئی اور یوں دونوں کے الگ الگ اندازِ تحقیق کی وجہ سے حدیث کی صحت و ضعف کا حکم بھی مختلف ہو گیا۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۱۷۳)

مولانا عبد الصمد رفیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"البتہ کچھ مسائل میں ان سے اختلاف بھی ممکن ہے، مثلاً: (ا) حسن لغیرہ کی بحث (ب) چوتھے دن کی قربانی (ج) اور یزید۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۳۲۶)

حسن لغیرہ کی بابت علی زئی کا نظریہ غیر محتاط ہے

شیخ خبیب اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

" حسن لغیرہ کے بارے میں بعض لوگ [زبیر علی زئی اور ان کے معتقدین (ناقل)] انتہائی غیر محتاط رویہ اپناتے ہیں، ان کے نزدیک ضعیف حدیث + ضعیف حدیث کی مطلق طور پر کوئی حیثیت نہیں، خواہ اس حدیث کے ضعف کا احتمال بھی رفع ہو جائے۔ بزعمِ

خویش حدیث اور اس کے علوم کے بارے میں ان کی معلومات امام ترمذی، حافظ بیہقی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہم سے زیادہ ہیں۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۵۸)

حسن لغیرہ کا انکار محدثین کی محنتوں پہ پانی پھیرنا ہے

شیخ خبیب اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حسن لغیرہ کا مطلق انکار کرنے والے جس انداز سے متاخرین محدثین کی کاوشوں کو رائیگاں کرنے کی سعی نامشکور کرتے ہیں، اسی طرح متقدمین جہابذۂ فن کے راویان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں اور وہ حسبِ خیال فرامین نبویہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون ۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۵۸)

خبیب صاحب نے دوسری جگہ لکھا:

"معزز قارئین! ایک صد محدثین اور محققین کے اقوال آپ کے سامنے ہیں۔ جن میں سے اکثر وبیشتر حسن لغیرہ کی ایک قسم (ضعیف + ضعیف) سے متعلق ہیں۔ اور چند حوالے حسن لغیرہ کی دوسری قسم (ضعیف حدیث + حسن یا صحیح حدیث) سے متعلق ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اَخذ کرنے میں دقت نہیں اُٹھانی پڑتی کہ محدثین ان دونوں صورتوں کی حجیت کے قائل تھے۔ ان دونوں صورتوں ی کسی ایک صورت کا انکار محض مجادلہ اور محدثین کی محنتوں کو رائیگاں کرنا ہے۔"

(مقالاتِ اَثریہ صفحہ ۱۲۲)

حدیثوں کا انکار کرکے بزعم خود خدمت حدیث کا دعوی

اوپر شیخ خبیب اثری غیر مقلد کی عبارت مذکور ہو چکی کہ حسن لغیرہ حدیثوں کا انکار کرنے والے بجائے شرمانے کے اسے فرامین نبویہ کی خدمت گمان کرتے ہیں۔ اثری صاحب کی مزید ایک عبارت ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

”محدث یمن مقبل بن ہادی ۱۴۲۲ھ : موصوف شیخ ابن ابی العینین کی کتاب : القول الحسن کی تقریظ میں رقم طراز ہیں: ”......اسے [حسن لغیرہ (ناقل)] مطلق طور پر رَد کرنا تو یہ فرامین نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رَد کرنے کے اقدام ہے۔تقديم القول الحسن للشيخ مقبل (ص:۷)“

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۱۴)

حسن لغیرہ حدیثوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے

اوپر آپ ملاحظہ فرما چکے کہ حسن لغیرہ حدیثوں کا مطلقاً انکار کرنا فرامین نبویہ کا انکار ہے۔ اَب یہ بات جانیں کہ حسن لغیرہ حدیثوں کی تعداد کتنی ہے؟ شیخ خبیب اثری غیر مقلد کی نقل اور تصریح کے مطابق ایسی حدیثوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔
چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”محدث البانی ضعیف + ضعیف احادیث کو قرائن کی بنا پر تقویت دینے میں بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اگر ان کی تین چار کتب کو کھنگالا جائے تو ان میں حسن لغیرہ احادیث سینکڑوں سے متجاوز ہو جائیں۔ ملاحصہ ہو: السلسلة الصحيحة ، ارواء الغليل ، صحيح الترغيب و الترهيب ، صحيح الجامع الغير۔“

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۱۴)

خبیب صاحب آگے لکھتے ہیں:

”شيخ شعيب ارناؤط و رفقاؤه :دیکھیں مقدمۃ تحقیق مسند الامام احمد (۱/ ۶۹،۸۲۔۱۴۳،الموسوعة الحديثية) نیز ان کی لجنہ کے دیگر محققین نے بھی مسند احمد کی سینکڑوں احادیث کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے، ہر جلد کے سرورق پر ان محققین کے اسماء گرامی موجود ہیں۔“

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۱۷)

علی زئی کے معتقدین بھی حسن لغیرہ حدیثوں کے منکر ہیں

کئی غیر مقلدین نے کھلے لفظوں میں لکھا کہ علی زئی حدیثوں کو صحیح وضعیف قرار دینے میں محدثین کے اصولوں کے مخالف رہے ہیں، اس کے باوجود اہلِ حدیث کہلوانے والوں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جنہوں نے علی زئی اصولوں کو اپنایا۔ پھر جس طرح علی زئی نے حسن لغیرہ حدیثوں کا انکار کیا، اس کھیپ نے بھی ایسی حدیثوں کو قبول کرنے کی بجائے جھٹک دیا، بلکہ اس سے بڑھ کر ایک صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حسن لغیرہ حدیثوں کو ماننے کی وجہ سے بریلویت ثابت ہوتی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ وکیل ولی قاضی غیر مقلد (رکن شوری جمعیت اہل حدیث حیدر آباد) نے علی زئی کے حالات میں لکھا:

"راقم نے شیخ رحمہ اللہ کو بتایا کہ الحمد للہ تمام لوگ آپ کے منہج سے سے متفق ہیں، تو شیخ رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۵۵۳)

شیخ ابو ابراہیم محمد ندیم (المعروف خرم ارشاد محمدی) غیر مقلد نے علی زئی کے حالات مس لکھا:

"ایک دن فون پر کہنے لگے خرم بھائی ضعیف + ضعیف = والے فارمولے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ شیخ صاحب اس فارمولے سے ساری بریلویت ثابت ہو جاتی ہے، تو آپ رحمہ اللہ فرمانے لگے: خرم بھائی! آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۳۵۸)

علی زئی اور ان کے معتقد کہہ رہے کہ ایسی حدیثوں سے بریلویت ثابت ہوتی ہے۔ ان کی یہ بات جہاں غلط ہے، وہاں محدثین پر الزام بھی ہے کہ انہوں نے حسن لغیرہ حدیثوں کو قبول کر کے بریلوی سوچ کو تقویت دی، بلکہ بریلویت کو ثابت کیا ہے۔ میری معلومات کے مطابق بارہ چودہ صدیوں میں یہ تاثر کسی محدث نے نہیں دیا کہ حسن لغیرہ حدیثوں سے بدعتی فرقہ کی تائید ہوتی ہے۔ یہاں ایک بات اور بھی عرض کرتا چلوں۔ حسن لغیرہ حدیثیں جمہور محدثین اور غیر مقلدین کے ایک بڑے طبقہ کے ہاں قابلِ قبول ہیں۔ جب علی زئی اور ان کے معتقد نے مہر ثبت کر دی کہ بریلویت حسن لغیرہ حدیثوں سے ثابت ہے، تو اَب بریلوی اپنی تائید میں اُن کا حوالہ پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارا مذہب خود ساختہ نہیں، بلکہ یہ تو حسن لغیرہ حدیثوں سے ثابت ہے۔

شیخ قیصر محمود دطیبی غیر مقلد ہیں:

’’عجیب بات ہے کہ جن ائمہ متقدمین نے بعد والوں کو اصول وحدیث کا علم دیا، ہم ان کی مخالفت کر رہے ہیں، یہ کیسا انصاف ہے کہ جن معمولی ضعف والی روایات کو ائمہ متقدمین ضعیف اور ناقابلِ حجت قرار دیں ہم بعد والے بغیر کسی قوی دلیل کے ان خفیف ضعف والی روایت کو مجموعی طرق کی بناء پر حسن لغیرہ قرار دیں۔‘‘

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۴۲۳)

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

’’جناب نے ان حضرات کا بڑے اچھے اور علمی انداز میں رد فرمایا، جو یہ کہتے ہیں کہ متعدد ضعیف احادیث مل کر قوت پکڑ جاتی ہیں اور قابلِ عمل ہوتی ہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ اندھے 10 + 20 بھی ہوں تو وہ اندھے ہی رہتے ہیں، ان میں ایک آنکھوں والے کے برابر بصارت نہیں ہوتی، اسی طرح ضعیف جتنی مرضی جمع کر لی جائیں وہ ضعیف ہی رہتی ہیں...... آپ کے اسی موقف کی میں (100٪) سو فی صد حمایت اور تائید کرتا ہوں۔‘‘

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۶۱۳)

مدعیان اہلِ حدیث، علی زئی کے نقشِ قدم پر رواں دواں

شیخ محمد یسین ظفر غیر مقلد (مدیر الجامعة السلفية فيصل آباد) لکھتے ہیں:

’’بطور خاص مولانا حافظ ندیم ظہیر، مولانا صدیق رضا اور مولانا غلام مصطفی ظہیر امن پوری شامل ہیں جو آج بھی ان کے نقش قدم پر منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔‘‘

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۳۴۷)

احادیث کے ردو قبول میں من مانی کرنے میں ابن حزم کے نقشِ قدم پر

احادیث کے ردو قبول کے حوالے سے پہلے علامہ ابن حزم ظاہری کا طرز عمل ملاحظہ فرمالیں۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’حافظ ابن حزم بعض اصولی مباحث میں بھی محدثین کے ہم نوا نہیں، ان کے بعض

اصول وضوابط سے کچھ مختلف ہیں۔"

(توضیح الکلام صفحہ ۲۹۶)

شیخ خبیب اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مصطلح الحدیث کے بہت سے مسائل میں حافظ ابن حزم رحمہ اللہ جمہور اہلِ اصطلاح کی مخالفت کرتے ہیں مثلاوہ دیگر اصولیوں کی طرح زیادۃ الثقہ کو مطلق طور پر قبول کرتے ہیں، ان کے علاوہ یہ موقف کسی محدث کا نہیں۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۲۸)

خبیب صاحب آگے لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی مصطلح الحدیث کے بارے میں دکتور خالد بن منصور رقم طراز ہیں: "جو حافظ ابن حزم کی کتاب "الاحکام" پڑھے گا، اس پر واضح ہو جائے گا کہ وہ مصطلح کے متعدد اور انتہائی اہم مسائل میں محدثین ائمہ کی مخالفت کرتے ہیں۔" الحدیث الحسن (۵/ ۲۴۲۲)"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۲۹،۱۲۸)

خبیب صاحب مزید لکھتے ہیں:

"محدثین نے رواۃ کے درجات بنائے ہیں کسی راوی کو اعدل، اثبت ، اوثق ، اضبط قرار دیاتوکسی کو ثقہ وغیرہ، تاکہ بوقتِ ضرورت ایک راوی کی روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دی جاسکے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ اس اصول پر نکیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ان (محدثین) نے یہ کہہ کر غلطی کی ہے کہ فلاں راوی فلاں سے اعدل (زیادہ ثقہ) اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اعدل کی حدیث کو عادل کی حدیث پر ترجیح دی جائے۔" الاحکام (۱/ ۱۴۳) جو لوگ [شیخ زبیر علی زئی اور ان کے معتقدین (ناقل)] حسن لغیرہ کے عدم حجت ہونے میں حافظِ صاحب کا قول پیش کرتے ہیں، ان سے سوال ہے کہ ثقہ پر اوثق کی روایت کو ترجیح دینا غلطی ہے ؟ جیسا کہ حافظ ابن حزم فرمارہے ہیں ، یا ایسا فن ہے جس کے لئے اللہ ذوالجلال

والا کرام نے امام یحی بن سعید القطان، امام عبد الرحمن بن مہدی، امام اہل السنۃ احمد بن حنبل، امام بخاری رحمہم اللہ جیسے اعیان پیدا فرمائے، کیا وہ سبھی اس "غلطی" کا ارتکاب کرتے رہے؟ یا فرامینِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہے؟۔"(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۲۹)

قوسین میں لفظ "محدثین" بھی مقالاتِ اثریہ ہی میں مذکور ہے۔

خبیب صاحب نے لکھا:

"اگر کوئی راوی کسی حدیث کو ایک استاذ سے بیان کرتا اور پھر بھول کر اس حدیث و دوسرے استاذ سے بیان کرتا تو محدثین اس دوسرے استاد سے کی ہوئی روایت کو معلول (ضعیف) قرار دیتے تھے، مگر یہ اصول حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کو نہیں بھایا، وہ رقم طراز ہیں: "لوگوں (محدثین) نے احادیث کو اس لئے معول قرار دیا ہے کہ اس کے راوی ایک مرتبہ استاذ سے روایت کرتے ہیں، جب کہ دوسری مرتبہ فلاں استاذ سے بیان کرتے ہیں۔(حافظ ابن حزم تبصرہ کرتے ہیں: حالاں کہ) یہ (متعدد اساتذہ سے روایت) حدیث کے قوی ہونے کا سبب ہے اور اس کے دلائل صحت میں اضافہ ہے، اور یہ اس آدمی (محدث) کی جہالت کی دلیل ہے جو اس وجہ سے حدیث پر جرح کرتا ہے۔" الاحکام لابن حزم (۱۴۹/۱)حالاں کہ علل الحدیث کی بنیاد یہی ہے۔ سوال ہے کہ امام ابن معین، امام ابو حاتم، امام ابو زرعہ، امام مسلم، امام دارقطنی رحمہم اللہ حدیث سے بے خبر تھے؟!! حاشا وکلا جہابذہ ائمہِ فن کسی روایت کو محض اس لئے معلول قرار نہیں دیتے کہ وہ ایک حدیث کو پہلی مرتبہ فلاں استاذ سے، جب کہ دوسری بار فلاں استاذ سے روایت کرتا ہے۔ ذخیرۂ حدیث میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ ایک راوی ایک ہی حدیث کو متعدد شیوخ سے روایت کرتا ہے، بالخصوص جب وہ کثیر الروایۃ اور کثیر الشیوخ ہو، وہ اس روایت کو معلول قرار دیتے ہیں، جسے وہ غلطی یا وہم کی بنا پر دوسرے استاذ سے بیان کرے۔ قارئینِ کرام! ذرا غور فرمائیں کہ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ دیگر اصولیوں، فقہاء اور منطقیوں کی طرح کس انداز میں مظلوم محدثین پر برس رہے ہیں کہ وہ خوامخواہ احادیث کو معلول قرار دیتے رہتے ہیں۔ اس لئے محدثین کے اقوال کے سامنے حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کے حسن

لغیرہ کے متعلق قول کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ وہ خود اصولیوں سے متاثر ہیں اور ظاہریت میں بھی ان کا شہرہ ہے۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۱۳۱،۱۳۰)

علامہ ابن حزم کی احادیث کے رد وقبول میں من مانی کا ذِکر چھڑ گیا ہے تو اگلی بات بھی پڑھتے چلیں کہ غیر مقلدین نے اپنی کتابوں میں انہیں اہلِ حدیث اور تارکِ تقلید لکھا ہوا ہے۔چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

امامِ آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان لکھتے ہیں:

"قَالَ ابْنُ حَزْمٍ مِنْ اَصْحَابِنَا، ہمارے اصحاب میں سے ابن حزم نے کہا۔"

(نزل الابرار:۱/۱۲۵)

وحید الزمان دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"علمِ حدیث میں بے تعصب حق بات کی مدد کرے والے اور کسی مجتہد کی رعایت نہ کرنے والے چند عالم گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو مراتب عالیہ عطاء فرمائے۔ان میں سے ہیں امام ابنِ حزم ظاہری.... رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔"

(تیسیر الباری:۷/۱۹۲، تاج کمپنی)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"مشہور غیر مقلد عالم اور منجلیق الغرب حافظ ابن حزم الظاہری۔"

(علمی مقالات:۲/۲۴۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"علامہ ابنِ حزم اندلسی نے اپنی "غیر مقلدیت" تلوّن مزاجی کے باوجود اجماع صحابہ کو حجت قرار دیا ہے۔"

(الحدیث: شمارہ:۹۱ صفحہ ۳۸)

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حزم اندلسی الظاہری گو ظاہری ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو اہلِ حدیث شمار فرماتے ہیں۔"

(تحریک آزادیٔ فکر صفحہ ۳۵۱)

حکیم فیض عالم صدیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"بعض اہلِ علم نے انہیں مذہب ظاہریہ یعنی محمد بن اسحاق راہویہ کا مقلد قرار دیا ہے مگر جس حد تک ان کی تحقیق کا تعلق ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غیر مقلد اور پکے اہلِ حدیث تھے۔"

(اختلافِ امت کا المیہ صفحہ ۱۳۲)

مولانا عبد القادر حصاری غیر مقلد نے انہیں پانچویں صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ چانچہ وہ لکھتے ہیں:

"امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جو مجدد قرن خامس ہیں اپنی بے نظیر کتاب محلی... میں فرماتے ہیں۔"

(فتاوی حصاریہ: ۱۵۴/۶)

غیر مقلدین کے اعترافی حوالہ جات اوپر منقول ہو چکے کہ علامہ ابن حزم ظاہری احادیث کے رد و قبول میں محدثین کے اصولوں کے خلاف من مانی کیا کرتے تھے۔ اتنا جان لینے کے بعد شیخ محمد عزیز شمس غیر مقلد کی شیخ زبیر علی زئی کے متعلق گواہی ملاحظہ فرمائیں، انہوں نے واضح لفظوں میں کہا ہے کہ علی زئی صاحب مسائل کی تحقیق اور احادیث پر حکم لگانے کے سلسلے میں ابن حزم کی طرح ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کے حالات میں لکھا:

"مسائل کی تحقیق اور احادیث پر حکم کے سلسلے میں، میں انہیں امام ابن حزم سے تشبیہ دیتا ہوں، جنہوں نے بہت سے رجال اور احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ صحیحین کی حدیثوں پر بھی تنقید کر ڈالی ہے۔ ائمہ کرام اور ان کے مقلدین کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بہت سے مسائل میں وہ جمہور ائمہ کے خلاف ہیں، اور بڑی شدت سے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۱۷۸)

اس عبارت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ علامہ ابن حزم کی طرح علی زئی احادیث کے رد و قبول میں من مانی سے کام لیا کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ باوجود من مانی کے علی زئی اپنے موقف میں شدت سے کام لیتے تھے۔

میرے منہج میں نجات ہے(علی زئی کا دعویٰ)

خود غیر مقلد مصنفین نے اعتراف کیا ہوا ہے کہ احادیث کی تصحیح و تضعیف میں علی زئی نے محدثین کے اصولوں سے منہ موڑا۔ مگر اس کے باوجود علی زئی اپنے وضع کردہ اصولوں کی پیروی کو راہِ نجات قرار دیا کرتے تھے۔

شیخ وکیل ولی قاضی غیر مقلد(رکن شوریٰ جمعیت اہل حدیث حیدرآباد) لکھتے ہیں:

"شیخ رحمہ اللہ نے کہا: میں صرف اُس اہلِ حدیث کو اجازۃ الروایۃ دیتا ہوں جو میرے منہج سے متفق ہوں اور ثابت اجماع کو شرعی حجت تسلیم کرتے ہوں۔ جس پر راقم نے شیخ رحمہ اللہ کو بتایا کہ الحمد للہ تمام لوگ آپ کے منہج سے متفق ہیں تو شیخ رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے ......اور شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں جو منہج تمہیں دے کر جا رہا ہوں اُس میں نجات ہے، ان شاء اللہ۔ اور اس سے منہج اہل الحدیث کے متفق علیہ مسائل ثابت ہوتے ہیں۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۵۵۳)

اس عبارت میں علی زئی صاحب کے الفاظ "اس سے منہج اہل الحدیث کے متفق علیہ مسائل ثابت ہوتے ہیں۔" زیر نگاہ رہے۔ اس سے آپ علی زئی کی مجبوری بھی سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے محدثین کے اصولوں سے انحراف کس غرض سے کیا۔ اس سے وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

معتقدین نے علی زئی کو سند کا درجہ دیا

اوپر غیر مقلد لکھاریوں کا اعتراف منقول ہو چکا کہ علی زئی صاحب نے محدثین کے اصولوں سے انحراف کیا اور اپنے خود ساختہ اصولوں کے ذریعہ حدیثوں کی تصحیح و تضعیف کی۔ اس کے بعد اگلی بات سے مطلع ہوتے چلیں کہ اس من مانی کے باوجود غیر مقلدین میں اُن کا نام حدیث کی تصحیح و تضعیف میں سند پا گیا۔

شیخ عمر فاروق قدوسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"پھر وہ وقت بھی آیا کہ ابو طاہر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا نام کسی بھی حدیث کی صحت اور ضعف میں سند کی حیثیت اختیار کر گیا، بلکہ ان کی تصحیح شدہ اور ان کی تحقیق و تخریج سے آراستہ کتب دار السلام نے بہترین طباعتی معیار کے ساتھ شائع کیں اور سرورق پر ان کا نام درج کیا۔"

(اشاعۃ الحدیث حضرو، اشاعتِ خاص بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۵۳۴)

علی زئی اصول سے صحیح احادیث کی اچھی خاصی تعداد ضعیف بن جاتی ہے

علی زئی صاحب کی رائے ہے کہ اگر سفیان ثوری کسی حدیث کو عن کہہ کر بیان کریں تو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ علمی انداز میں یوں کہہ لیں کہ اُن کے نزدیک سفیان ثوری کی تدلیس وجہ ضعف ہے۔ اُن کے استاذ شیخ محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے اُن کی زندگی ہی میں مذکورہ رائے پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

”حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں امام ثوری رحمہ اللہ کے واسطہ سے کئی روایات ملتی ہیں جن کے بارے میں ان کے ائمہ مصنفین کا یہی ارشاد ہے کہ وہ صحیحہ یا حسنہ ہیں۔ مثلاً امام ترمذی رحمہ اللہ کی ”الجامع“۔ اور ابتداء سے لے کر عصر حاضر تک کے شراح نے ان ائمہ کی تصریح کو بحال رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو مبارک پوری کی کتاب ”تحفۃ الاحوذی“ اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی کتب ابو داود کی شرحیں اور دار قطنی پر تعلیق وغیرھا من الکتب ۔ لیکن محترم [زبیر علی زئی (ناقل)] کے موقف کی بناء پر ایسی بہت سی روایات ضعیف ٹھہریں گی۔“

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۲۸)

راشدی صاحب نے آگے لکھا:

”اگر اس موقف کو سامنے رکھ کر ہم دواوین حدیث کو تلاش کرنا شروع کر دیں تو بہت سی روایات جن کو سلف سے لے کر خلف تک صحیح و متصل قرار دیتے آئے ہیں، ان میں سے اچھی خاصی تعداد ضعیفہ بن جائے گی۔ تعجب ہے کہ جس جلیل القدر امام کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی مطلق تدلیس بھی بہت کم ہے، اس کے بارے میں محترم کا یہ فیصلہ ہے کہ مطلق تدلیس والی روایت کو چھوڑیئے اس کی مدلسہ عن الضعفاء روایات کی فہرست بھی کافی طویل ہے۔“

(حوالہ مذکورہ)

علی زئی اصول سے احادیث کا بڑا ذخیرہ سرد خانہ میں رکھ دینے کے لائق بنتا ہے

شیخ محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے اپنے شاگرد علی زئی کے متعلق لکھا:

”محترم نے بلا تدبر محض عجلت پسندی میں امام ثوری اور اعمش رحمہما اللہ کی سب معنعنہ روایات کو ضعیف قرار دے دیا حالاں کہ تحقیق اس کے خلاف تھی۔ اگر محترم کا موقف اختیار کیا جائے تو صحیحین کے سوا اور سب روایات جو حدیث کے دوسرے دواوین ہیں اور جن کی تصحیح ائمہ حدیث کرتے آئے ہیں، وہ سب کی سب بلا استثناء (امام ثوری و اعمش کی وجہ سے) ضعیف قرار پائے گی اور اس طرح حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ ضعیف قرار پا کر سرد خانہ میں رکھ دیئے جانے کے ہی قابل بنتا۔ وھذا کما تری ۔ اور اس پر طرہ یہ کہ آپ نے اپنے موقف کے اثبات کے لئے ایسے دلائل کا سہارا لیا جو آپ کے علمی شان سے بمراحل بعید تھے۔ بس یہی بات تھی جس نے اس موضوع پر قلم اُٹھانے پر مجبور کیا۔“

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۴۶)

راشدی صاحب نے علی زئی کی بابت حسنِ ظن قائم کر لیا کہ جلد بازی میں ایسا اصول اختیار کیا جس سے صحیح احادیث کا بڑا ذخیرہ ضعیف قرار پاتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ علی زئی صاحب کی اس رائے کے خلاف بہت سے قلم کاروں نے لکھا، بجائے رجوع کرنے کے وہ آخر تک اسی رائے پر قائم رہے۔ لہٰذا عجلت والی تاویل نہیں چل سکتی۔ بلکہ علی زئی اپنی اس رائے پر ڈٹ کر دوسروں کو بزعمِ خود جواب دیتا رہا۔ ان کی ان تحریروں کے پیش نظر راشدی صاحب کا ”حسن ظن“ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ راشدی صاحب کی مذکورہ عبارت میں یہ اعتراف بھی ہے کہ علی زئی صاحب نے اپنے اس موقف کے لئے ایسے دلائل کا سہارا لیا جو علمیت سے دُور ہیں۔

علی زئی اصول کے مطابق سنن اربعہ وغیرہ کی حدیثیں صحیح ثابت نہیں ہو سکتیں

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے علی زئی کے ایک اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”اگر اس طرح کے اقوال میں براہ راست ناقدین سے سند کا مطالبہ درست ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ عام کتبِ احادیث تو دُور کی بات، سنن اربعہ کوئی حدیث بھی صحیح یا ضعیف ثابت نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ رواۃ کے تعارف میں ناقدین کے جو اَقوال پیش کئے جائیں گے تو یہاں دو طرح کی سند کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اول: ناقد کا جو فیصلہ ہے، وہ اس کی کتاب سے یا کسی اور کتاب سے بسند پیش کیا جائے۔ دوم: ناقد کے اپنے فیصلے میں جو بات ہے، مثلاً یہ کہ فلاں کذاب ہے، یا

فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں، اور یہ فلاں ناقد کے زمانے کا نہ ہو یا ہو بھی تو کذاب کہنے کی بھی دلیل، اسی طرح عدم لقا یا عدمِ سماع کی بھی دلیل وغیرہ وغیرہ جیسی تمام باتوں کی بھی سند صحیح بھی پیش کرنی ہو گی۔ میرے خیال سے اس اصول کے تحت دیگر کتب تو دُور کی بات سنن اربعہ ہی سے کی ایک بھی حدیث کو صحیح یا ضعیف ثابت کرنا ناممکن ہے۔ اور اگر ممکن ہے تو ہمیں صرف ایک حدیث کی تحقیق ناقدین سے بسند صحیح ثابت اقوال نیز ناقدین کے اقوال میں جو بات ہے، اس کی بھی سند صحیح پیش کر کے دکھلایا جائے۔ بارک اللہ فیکم۔"

(یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۳۱، دار السنة للتحقیق والطباعة والنشر)

سنابلی صاحب اس جگہ حاشیہ میں لکھا:

"ہمارا یہ مطالبہ پورا کرنے سے زبیر علی زئی بالکل عاجز و ساکت ہیں۔"

(حوالہ مذکورہ)

تنبیہ: سنن اربعہ حدیث کی چار بڑی اور اہم کتابوں کو کہا جاتا ہے: نسائی، ترمذی، ابو داود اور ابن ماجہ۔ سنابلی صاحب کی تصریح بلکہ چیلنج کے مطابق علی زئی اصول کی رُو سے حدیث کی ان چاروں کتابوں میں درج کوئی ایک حدیث بھی "صحیح" ثابت نہیں ہو سکتی۔

(جاری)

محترم محمد مدثر علی راؤ صاحب حفظہ اللہ (قسط:۲)

قومی اسمبلی میں قادیانی شکست اور بریلوی تعصب

اسمبلی میں قرارداد کس نے پیش کی؟

قارئین کرام! ختم نبوت موومنٹ پاکستان کی شائع شدہ اس کاروائی کے صفحہ 30 پر قرارداد سے متعلق ایک اور اعتراض پیش کیا گیا ہے:

"اسی طرح مولوی اللہ وسایا اپنی کتاب "پارلیمنٹ میں قادیانی شکست کے صفحہ ۱۰ پر مولانا شاہ احمد نورانی کی پیش کردہ قرارداد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ " قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی نے پرائیویٹ بل اسمبلی میں پیش کیا۔ مگر اس کتاب کے صفحہ ۹۳ پر حزب اختلاف کی تاریخی قرارداد کی سرخی قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں اپوزیشن نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے جو قرارداد پیش کی تھی، اس کا متن درج ذیل ہے۔

ایک ہی کتاب میں دو مختلف باتیں! پہلے مقام پر قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی قرارداد پیش کرنے والے۔ جبکہ دوسرے مقام پر وہی قرارداد اپوزیشن کی قرارداد قرار پاتی ہے، عجب مخمصہ پیدا ہوتا ہے کہ قرارداد کس نے پیش کی، علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی ہے نے یا اپوزیشن نے؟ یا یہ کہ مولانا نورانی اے نے اپوزیشن کی جانب سے قرارداد پیش کی؟"

(قومی اسمبلی میں قادیانی شکست جلد 1 صفحہ 30)

قارئین کرام! یہاں پر بھی بریلوی عالم نے اپنی روایت کے مطابق اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا اللہ وسایا صاحب کی آدھی عبارت کو نقل کر کے اعتراض قائم کیا اور ساتھ اپنی طرف سے ہی اسے مخمصہ بنا دیا کیونکہ اگر پوری عبارت نقل کر دی جاتی تو انہیں اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔

بریلوی معترض نے مولانا کی عبارت کو صرف اتنا نقل کیا کہ " قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی نے پرائیویٹ بل اسمبلی میں پیش کیا" اتنی عبارت پیش کر کے آگے مولانا اللہ وسایا صاحب کی دوسری عبارت نقل کر دی گئی جس

میں مولانا نے اپوزیشن کی طرف سے قرار داد کا لکھا تھا اور پھر معترض نے اسے مخمصہ بنا دیا کہ مولانا اللہ وسایا صاحب ایک طرف تو مولانا نورانی کی طرف سے قرار داد پیش کرنے کا لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف وہ اپوزیشن کی طرف سے قرار داد کے پیش کرنے کا کہ رہے ہیں تو یہ دونوں باتیں متضاد ہوئیں۔

اصل حقیقت:

جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بریلوی معترض نے آدھی عبارت کو نقل کیا جبکہ پوری عبارت یہ تھی۔

" قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی نے پرائیویٹ بل قومی اسمبلی میں پیش کیا، جس پر قومی اسمبلی کے 28 معزز اراکین کے دستخط تھے۔ یہ بل حزب اختلاف کی طرف سے تھا اور حزب اختلاف کے قائد مفکر اسلام مولانا مفتی محمود تھے۔"

(پارلیمنٹ میں قادیانی شکست صفحہ 10)

دیکھا آپ نے کہ مولانا کی مکمل عبارت میں واضح طور پر ساتھ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ مولانا نورانی کی طرف سے پیش کردہ پرائیوٹ بل حزب اختلاف کی طرف سے تھا جس کے قائد مفتی محمود صاحب تھے لیکن بریلوی معترض نے اس بقیہ عبارت کو چھپا کر مولانا اللہ وسایا صاحب پر اعتراض جڑ دیا اور اسے خود ساختہ مخمصہ قرار دے دیا۔

قارئین کرام! یہ کوئی پہلی بار ایسا نہیں ہوا بلکہ اس فرقہ کی یہ گندی عادت کئی برسوں سے چلی آرہی ہے کہ یہ لوگ ہمارے اکابر کی آدھی بات کو نقل کر کے اس پر اعتراضات اور فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔

لطیفہ:

پھر ایک اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کاروائی کے صفحہ 30 پر بریلوی معترض نے مولانا اللہ وسایا صاحب پر تو اعتراض کر دیا اور ساتھ سوالات بھی قائم کر دیے کہ یہ قرار داد کس نے پیش کی تھی؟ مولانا نورانی نے یا اپوزیشن نے؟ اور پھر اسے مخمصہ بھی بنا دیا جبکہ بریلویوں کی اسی کتاب کے صفحہ 32 پر بریلوی معترض مولانا نورانی کی طرف سے اسی مخمصہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"اب رہا سوال یہ کہ علامہ شاہ احمد نورانی کی قرار داد حزب اختلاف کی قرار داد کیسے بنی تو اس کا جواب بھی ہفت روزہ احوال کراچی کو دیئے گئے علامہ کے انٹرویو سے مل جاتا ہے جس میں آپ بتاتے ہیں کہ "میں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی، اس پر دوماہ بحث

ہوئی، حزب اختلاف نے اُسے متفقہ قرارداد بنادیا۔ ہم نے یہ کام بھی کروالیا اگرچہ پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔"

(قومی اسمبلی میں قادیانی شکست جلد 1 صفحہ 32)

اب ہم بریلوی حضرات سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ کو اس سوال کا جواب مل گیا تھا پھر مولانا اللہ وسایا صاحب پر اعتراض کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ صرف اس لیے مولانا پر یہ اعتراض کر دیا گیا تاکہ اس حساس مسئلہ کو بھی اپنی ناپاک فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھایا جاسکے!

جو بات مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنی کتاب "پارلیمنٹ میں قادیانی شکست صفحہ 10" پر کی تھی بالکل وہی بات مولانا نورانی نے بھی اپنے انٹرویو میں کہی جسے خود بریلوی مسلک نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے تو پھر اس پر خوامخواہ کا اعتراض کرنا اور مولانا اللہ وسایا صاحب کی شخصیت کو تضادات کا شکار بنانا کہاں کا انصاف ہے؟

جو اعتراض بریلوی معترض نے اپنی کتاب کے صفحہ 30 پر اٹھایا صفحہ 32 پر خود ہی اس اعتراض کا جواب بھی دے دیا۔ معلوم نہیں کہ لکھتے وقت بغض کے مارے اس بریلوی معترض کی دماغی حالت کا کیا عالم تھا جو اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے، واللہ اعلم۔

(جاری)

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

فنِ اسماء الرجال سے متعلق ضدی وہابی کا علاج
دس مختصر علمی و تحقیقی سوالات

عرب میں رہنے والے غیر مقلدین کے بنسبت ہمارے علاقوں کے غیر مقلدین زیادہ متعصب اور متشدد ہیں۔ جب بھی ہم احناف کسی روایت کو پیش کرتے ہیں تو یہ حضرات اُصول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ضد سے کام لیکر روایت کی سند میں موجود راوی پر جرح و اعتراض کر کے حدیث کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے ضدی حضرات سے آپ انتہائی مختصر دس / ۱۰ سوالات کریں تاکہ وہ پھر ہمیشہ کیلئے جرح سے توبہ کرلیں۔

(۱) راوی کا زمانہ کونسا ہے؟

(۲) راوی کا علاقہ کونسا ہے؟

(۳) راوی کا مذہب کیا ہے؟

(۴) جارح کا زمانہ کونسا ہے؟

(۵) جارح کا علاقہ کونسا ہے؟

(۶) جارح کا مذہب کیا ہے؟

(۷) ناقل کا زمانہ کونسا ہے؟

(۸) ناقل کا علاقہ کونسا ہے؟

(۹) ناقل کا مذہب کیا ہے؟

(۱۰) جرح مبہم ہے یا مفسر؟

زمانے اور علاقے کا سوال ہم اِس لئے پوچھتے ہیں کیونکہ اگر زمانے اور علاقے کا اتنا فرق ہو کہ ملاقات ممکن ہی نہیں تو جارح کی جرح کا کیا اعتبار؟

اور اگر وہ مقلد ہے تو غیر مقلدین کے نزدیک تقلید شرک ہے تو مشرک کی جرح اور نقل کا کیا اعتبار؟

مذہب کا سوال اِس لئے پوچھتے ہیں کیونکہ اگر راوی اور جارح کا مذہب جدا جدا ہے تو دیکھیں گے کہ کہیں جرح مذہبی تعصب کی وجہ سے تو نہیں؟

جرح مبہم اور مفسر کا سوال اِس لئے پوچھتے ہیں کیونکہ اُصول حدیث کی روشنی میں جرح مبہم کا اعتبار ہی نہیں ہوتا۔

(بحوالہ اشاعت خاص بیادِ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۴۹)

یہ انتہائی اہم سوالات ہے اس کو خوب یاد کر کے ضدی مخالفین کے سامنے بطور ہتھیار استعمال کر سکتے ہو۔

خوشخبری

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاءاللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی شمارہ کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے مسئلہ تقلید پر اپنے گران قدر مضامین ہمیں اشاعت کے لئے ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے، تقلید کا اجماع امت سے، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے، تقلید پر اعتراضات کے جوابات، ترک تقلید کے نقصانات، مشہور محدثین کا فقہی مذہب، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا۔ وغیرہ

مضامین ان پیج، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ کی صورت میں نیچے دیئے گئے نمبر پر ارسال کر سکتے ہیں:

https://wa.me/03428970409

شرائط وضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1)اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2)علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3)تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاءاللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱:امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲:قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳:حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴:بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵:شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4)مضامین میں احتیاط سے کام لے۔حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5)ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6)مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

https://archive.org/details/@tahirguldeobandi15258